Tehkals.com
Learn & Teach

اسلامیات

Class 10Th

NAME: ______________________________

F.NAME: _____________________________

CLASS:_____________ SECTION: _________

ROLL #: ______ SUBJECT: ______________

ADDRESS: ____

____

SCHOOL: ____

https://web.facebook.com/TehkalsDotCom/

https://tehkals.com/

پہلا حصہ:

سورۃ احزاب

۱) الفاظ معنی۔

۲) سوال وجواب

۳) عبارات کے مفہوم۔

سورۃ احزاب

تبصرہ:۔

سورۃ احزاب مدینہ منورہ میں سن ۵ ہجری میں نازل ہوئی۔ اس سورۃ میں غزوہ احزاب اور تاریخ اسلام کے چند واقعات کا ذکر ہیں۔

۱۔ تقویٰ ۲۔ اللہ اور اس کے رسولﷺ کی فرمانبرداری ۳۔ لے پالک ۴۔ امہات المومنین ۵۔ نزول ملائکہ ۶۔ منافقین ۷۔ اسوہ حسنہ

۸۔ یہود کی وعدہ خلافی ۹۔ حضورﷺ کے ازواج کے متعلق احکامات ۱۰۔ مسلمان مرد اور عورت کی دس صفات ۱۱۔ حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے متعلق حال۔

۱۲۔ نکاح ۱۳۔ حق مہر ۱۴۔ درود شریف کا حکم ۱۵۔ ایذائے مؤمنین ۱۶۔ قیامت کے بارے میں ۱۷۔ علم اور امانت کا ذکر ہیں۔

احزاب کے معنی ہیں گروہوں۔ چونکہ اس جنگ میں کفار کے لیے گروہوں نے مل کر مسلمانوں پر حملہ کیا تھا۔ اس لیے اسے جنگ احزاب کہتے ہیں۔ اس جنگ کو غزوہ خندق بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ حضورﷺ اور صحابہ کرام نے مل کر ایک بڑی خندق کھودی تھی۔ اس جنگ کے قیام میں یہودیوں کی سازش تھی۔ بنو نضیر جو مدینہ سے جلاوطن کئے گئے تھے۔ انھوں نے قریش مکہ کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے امادہ کیے۔ عرب کے دوسرے قبائل بنی عطفاں، بنی اسد، بنی مرہ اور بنی اشجاع کو ساتھ ملایا۔ یہ دس ہزار کا لشکر مدینے کی طرف چلا۔ حضورﷺ نے شمال کی جانب پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق کھودنے کا حکم دیا۔ مدینے کے مشرق اور مغرب میں چٹانیں اور پتھریلا علاقہ تھا۔ جبکہ جنوب کی جانب گنے باغات تھے۔ حضورﷺ کے اس پار تین ہزار جانثار آپﷺ کے ساتھ خیمہ زن تھے۔ بنی قریظہ کے یہودیوں نے پیچھے کی طرف حملے کی تیاری شروع کی۔ پھر اللہ کے حکم سے سخت آندھی آئی۔ جس سے کفار میں افراتفری پھیلی۔ ان کے خیمے اکھڑ گئے۔ کھانے کی دیگیں پلٹ گئی۔ وہ محاصرہ ختم کر کے سخت سردی اور بھوک کی وجہ سے واپس بھاگے۔ اور کفار کو دوبارہ شکست ملی۔ جس سے کفر کا کمر ٹوٹ گیا۔

الدرس الرابع (الف)

آیات ۱ تا ۸

سوال ۱: سبق کی ابتداء میں رسولﷺ کو کن باتوں کی تلقین کی گئی ہیں؟

جواب: سورۃ کی ابتداء یاایھاالنبی کے الفاظ سے لے کر کے چند ایسی اصلاحات کا حکم دیا جارہا ہیں۔ جو عربوں میں زمانہ قدیم سے مروج تھیں۔ ان کے نافذ کرنے سے پہلے چند ضروری باتوں کی تلقین کی گئی ہیں۔

۱) اتق الله:.

آپﷺ کو تلقین کی گئی ہے کہ خشیت اور تقویٰ پر قائم رہے اور جو لباس تقویٰ اللہ نے آپﷺ کو پہنایا ہے اس کو کافروں اور منافقوں کے گرد غبار سے محفوظ رکھے۔

۲) ولا تطع الکافرین والمنافقین:۔

ان آیات کی شان نزول یہ ہے۔ کہ جنگ احد کے بعد ابوسفیان، عکرمہ اور عبداللہ بن ابی وغیرہ حضورﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ ہمارے معبودوں (لات، عزیٰ اور منات) کے خلاف کچھ نہ کہے۔ تو ہم بھی آپ کے رب کے بارے میں کوئی تعرض نہیں کرینگے۔ حضورﷺ کو یہ باتیں سخت ناگوار گزری۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپﷺ ان کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیں یہ سب مکار ہیں۔

۳) اتبع ما یوحیٰ الیک من ربک:۔

اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال اور تمہارے نیتوں سے خبردار ہے۔ تمھارا ظاہر اور باطن اس سے مخفی نہیں۔ اور کسی کے خوف سے وحی الٰہی کا اتباع نہ چھوڑیں۔

۴) وتوکل علی اللہ وکفیٰ باللہ وکیلا:۔

چوتھا حکم یہ دیا گیا کہ اللہ پر توکل کریں۔ اور دنیا کے لوگوں کی مخالفت کو خاطر میں نہ لائیں۔ اللہ کو بطور کارساز کافی سمجھے۔

سوال ۲: اس سبق کی آیات میں منہ بولے بیٹوں کے بارے میں کیا ہدایت دی گئی؟

جواب: ۱) قدیم اہل عرب کا طریقہ:۔

عربوں میں رواج تھا۔ کہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنا متبنیٰ بنالیتا تو اس شخص کا اس کا حقیقی والد سمجھا جاتا تھا۔ اور اس بچے کو حقیقی بیٹے کے حقوق حاصل ہوتے۔ اس کئی پیچیدگیاں اور حق تلفیاں جنم لیتیں۔ اسلام نے اس غلط رواج کو منسوخ کر دیا۔

۲) ان کو ان کے اپنے اصلی باپوں کے نام سے پکارو:۔

بتایا گیا ہے کہ منہ بولے بیٹوں کو اپنے اصلی باپوں کے نام سے پکارا کرو۔ اس حکم کی تعمیل کے نتیجے میں زیدؓ بن محمد کو زیدؓ بن حارثہ کے نام سے بلایا جائے گا۔

۳) یہی زیادہ انصاف والی بات ہے:۔

یہ بات سب سے زیادہ انصاف والی ہے۔ کہ منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپ کے نام سے پکارا جائے۔

۴) اگر حقیقی باپ کا علم نہ ہو:۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اگر حقیقی باپ کا علم نہ ہو تو وہ تمھارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔ یعنی ان کو بھائی یا دوست کہہ کر پکارو۔

۵) گزشتہ امور پر مواخذہ نہیں:۔

قدیم عادت کی بناء پر سہواً اور خطا سے کسی کو اس کے فرضی باپ کی طرف نسبت کرکے پکارنے سے تم پر کوئی گناہ نہیں۔ بلکہ گناہ اس صورت میں ہے۔ جس میں تمھارے دل بھی قصد کریں۔

سوال ۳: مندرجہ ذیل عبارات کا مفہوم بیان کریں۔

(الف) **النبی اولیٰ بالمئومنین من انفسھم وازواجہ امھٰتھم.**

ترجمہ:۔

نبی مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں اور آپﷺ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

مفہوم:۔

ابتدائی اسلام میں حضورﷺ نے زید بن حارثہ کو اپنا متبنیٰ بنالیا تھا۔ اس لیے لوگ اپنے دستور کی مطابق آپؐ کو زید بن محمد پکارتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے منع فرمایا۔ کہ متبنیٰ حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہے۔ اس آیات کے نزول کے بعد سب زید بن حارثؓ کہنے لگے۔ اس آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ یہ بتلارہے ہیں۔ کہ نبیﷺ اگرچہ نسبی طور پر کسی مسلمان کے باپ نہیں لیکن روحانی طور پر سب کے باپ ہیں۔ اس لیے نبیﷺ ان کے جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ لوگ اپنے اتنے خیرخواہ نہیں۔ جتنا نبیﷺ خیرخواہ ہیں۔ اس لیے چاہیے کہ نبیﷺ لوگوں کو ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہو۔

آپ ﷺ کی ازواج امہات المئومنین ھیں:.

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کے ازواج مطہرات کی بڑی عزت افزائی کی اور فرمایا پیغمبر کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔امت کے لوگ ان کا احترام اپنی ماؤں جیسا کریں۔وہ امت کی روحانی مائیں ہیں۔

(ب) **ماجعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفه:.**

ترجمه:.

اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔

مفھوم:۔

یہ آیات مبارکہ قریش کے ایک شخص جمیل بن معمر فہری کے بارے میں نازل ہوئی۔جس کو قریش دو دل والا کہتے تھے۔اور خود بھی کہتا تھا۔کہ میرے دو دل ہیں۔اس بات کی رو میں یہ آیات نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں رکھے۔کہ ایک دل سے شک کریں اور دوسرے دل سے یقین کرے۔انسان کا قلب یعنی قوت ادرا کیہ ایک ہی ہے۔اس آیات کے ذریعے جاھلیت کے دو رسموں کو بھی باطل فرمایا۔کہ جس طرح ایک مرد کے سینے میں دو دل نہیں ہوتے اس طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ بیوی بھی سمجھے اور ماں بھی۔لے پالک کو لے پالک بھی اور حقیقی بیٹا بھی۔

(ج) **وما جعل ازواجکم الی تظھرون منھن امھتکم:.**

ترجمه:.

تمھاری وہ بیویاں جن سے تم ظہار کرتے ہو۔اللہ نے ان کو تمھاری مائیں نہیں بنائیں۔

مفھوم:۔

ا۔ ظھار کا مطلب:۔

یہ عرب کی ایک خاص اصطلاح تھی۔دور جاھلیت میں عرب کے لوگ غصے میں آکر بیوی سے کہہ دیا کرتے۔

"انت علی کظھری امی"

یعنی تم میرے لیے پشت مادر کی طرح ہو۔بقول ان کی یہ بیوی ماں بن جاتی۔اور ہمیشہ کے لیے ان پر حرام ہو جاتی۔اللہ کی طرف سے حکم نازل ہوا کہ ظہار کرنے سے بیوی ماں نہیں بن جاتی بلکہ وہ دوبارہ ان کے ساتھ زوجیت کے تعلقات قائم کرنے کے لیے تمھیں کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

۲۔ظھار کا کفارہ:۔

۱) غلام آزاد کرنا ۲) دو ماہ لگاتار روزے رکھنا ۳) ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلانا

الدرس الرابع (ب)

آیات ۹ تا ۲۰

سوال ۱: سبق کی آیات کی روشنی میں بتائے کہ غزوہ احزاب میں اہل ایمان کو اللہ کی تائید و نصرت کیسے حاصل ہوئی؟

جواب: **۱) غزوہ احزاب:۔**

یہود کے قبیلے بنو نظیر کو حضور ﷺ نے اسلام کے خلاف سازشیں کرنے کی وجہ سے مدینہ سے جلاوطن کیا۔انتقام کی غرض سے انھوں نے عرب کے قبائل کو خیبر کے کھجور کے باغات کی لالچ دے کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے تیار کیا۔

اسی طرح غزوہ احزاب کے نام سے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ایک جنگ لڑی گئی۔

(۲) **خندق کی کھدائی:۔**

آپ ﷺ کو جب مدینہ پر حملہ کرنے کی خبر پہنچی۔تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مشورہ کیا۔

حضرت سلمان فارسیؓ کی تجویز پر حضورؐ نے خندق کھودنے کا حکم دیا۔چنانچہ تین ہزار صحابہ کرامؓ نے مل کر چھ دنوں میں ساڑھے تین میل لمبی اور پانچ گز گہری اور پانچ گز چوڑی خندق کھود دی۔دشمنوں نے آکر جب خندق دیکھی۔تو حیران رہ گئے کہ کیسے حملہ کیا جائے گا۔صرف تیراندازی کی صورت ہیں۔جو فتح کے لیے کافی نہ تھی۔

(۳) **عمیر بن عبدود اور عبداللہ بن نوفل کا قتل:۔**

انھوں نے تنگ آکر خندق پار کرنے کی کوشش کی تو حضرت علیؓ نے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ان کے بعد کسی کی ہمت نہ رہی۔کہ خندق کے پار آجائے۔

(۴) **نعیم بن مسعود اشجعیؓ کی جنگی چال:۔**

نعیم بن مسعود اشجعیؓ نے حکمت عملی کی بہترین چال چلائے جس کی وجہ سے بنوقریظہ اور کفار کے درمیان اتحاد ٹوٹ گیا۔اور اختلاف پیدا ہوگیا۔چنانچہ ان کی طاقت پارہ پارہ ہوگئی۔

(۵) **آندھی کا طوفان:۔**

سردی پہلے سے ہی زوروشور پر تھی۔اور لشکر کو سامان کی فراہمی بھی مشکل ہو رہی تھی۔اچانک رات کے وقت آندھی کا طوفان بھی آگیا۔جس کی وجہ ہانڈیاں اور دیگیں پلٹ گئیں۔خیمیں اکھڑ گئیں۔گھوڑے رسیاں توڑ کر بھاگ گئے۔ان حالات کو دیکھ کر ابوسفیان نے واپس جانے کا اعلان کیا۔

(۶) **فرشتوں کا نزول:۔**

آندھی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھی بھیجا۔جن کو صحابہ کرامؓ نہیں دیکھ رہے تھے۔جنگ بدر کی طرح فرشتوں نے اگرچہ کافروں سے قتال نہیں کیا،مگر ان کے دلوں میں رعب ڈالتے رہے۔اور لشکر کے اطراف وجانب میں بلند آواز سے **اللہ اکبر** کہتے تھے۔

سوال ۲: عزوہ احزاب کے دوران آزمائش کی گھڑیوں میں اہل ایمان اور منافقین کا طرز عمل کیا تھا؟

جواب: عزوہ احزاب کے دوران آزمائش کی گھڑیوں میں منافقین کا طرز عمل مختلف قسم کا تھا۔جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) **مختلف گمان:۔**

عزوہ احزاب کے وقت منافقین اللہ تعالیٰ پر مختلف قسم کے گمان کر رہے تھے۔اور مسلمانوں کے دلوں میں شک ڈال رہے تھے۔کہ اگر ہم واقعی الٰہہ کے بندے ہوتے۔اور حق پر ہوتے تو آج اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرماتے۔اور ہمیں یوں بے یار و مددگار نہ چھوڑتے۔

۲) **دھوکے کا وعدہ:۔**

منافقین یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا ہے (**نعوذ باللہ**) یعنی اگر ان کا وعدہ سچا ہوتا تو آج وہ ہماری مدد کرے۔

۳) **ٹھرنے کا مقاصد:۔**

منافقین کا تیسرا عمل یہ تھا۔کہ وہ لوگوں کو اس بات کی دعوت دے رہے تھے۔کہ یہ جگہ ٹھرنے کی نہیں۔یہاں پر ٹھرنا ہلاکت ہیں۔

۴) **خوف وہراس:۔**

منافقین کا چوتھا عمل یہ تھا۔کہ وہ مسلمانوں میں خوف وہراس پھیلا رہے تھے۔اور عجیب مشورے دے رہے تھے۔کہ میدان چھوڑ کر گھر چلو۔دشمنوں کی فوج سے ڈراتے دھمکاتے۔

۵) **گھر خالی ہے:۔**

منافقین جنگ کے میدان سے بھاگ رہے تھے۔اور یہ بہانہ بنا رہے تھے۔کہ ہمارے گھر کھلے ہیں۔حالانکہ وہ کھلے نہیں تھے۔بلکہ یہ ان کا بہانہ تھا کہ ایسا نہ ہو بنوقریظہ والے پیچھے سے ہمارے بال بچوں پر حملہ کردیں۔

۶) **اھل ایمان کا طرزِ عمل:۔**

اس کے مقابلے میں مسلمانوں کے اعمال ان کے بالکل مختلف تھے۔

یہ مدینے کا شدید و طویل محاصرہ تھا۔ اہل ایمان پر بڑی آزمائیش آئیں۔ سخت سردی تھی۔ فاقہ کشی تھی۔ خوف و دہشت کی فضا تھی۔ مسلمان خوب ہلائے گئے۔ لیکن مسلمانوں نے صبر و تحمل سے کام لیا۔ سخت بھوکے رہے۔ پیٹ پر پتھر باندھے۔ بنو قریظہ نے عہد شکنی کی۔ لیکن اہل ایمان کے پائے ثبات میں لغش نہ آئی۔ بلکہ ان کا اللہ پر پختہ یقین تھا۔ کہ وہ ہماری مدد کریں گے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے ہیں۔ اور اللہ نے انھیں عظیم فتح سے ہمکنار کیا۔

سوال۳: ان آیات میں جہاد میں رکاوٹ ڈالنے والوں (**المعوقین**) کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا؟

جواب: ۱) **المعوقین کے معنی:۔**

المعوقین کے معنیٰ ہیں۔ روکنے والے۔

معوقین سے مراد وہ لوگ تھے۔ جن کے دلوں میں نفاق کا مرض تھا۔ بظاہر تو یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک تھے۔ مگر باطن طور پر یہودیوں اور مسلمانوں کے دشمنوں سے ملے ہوئے تھے۔

۲) **خوف وھراس پھیلانا:۔**

یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کو جھوٹا کہہ رہے تھے۔ اور لوگوں کو خوف زدہ کررہے تھے۔ کہ اے اہل یثرب تمھارے بچ جانے کا کوئی مقام نہیں۔ سوائے اسکے کہ تم لوگ واپس چلے جاؤ۔ اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے وعدے کو ان کا دھوکا کہہ رہے تھے۔ کہ اس طرح یہ تم کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ اس طرح کی افواہیں پھیلا کر مسلمانوں کو خوف وہراس میں بتلا کررہے تھے۔

۳) **وعدہ خلافی کر کے مختلف بھانوں سے فرار کا موقع تلاش کرنا۔**

ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے وعدہ کیا تھا۔ کہ باہر سے اگر کوئی مدینے پر حملہ کریں تو سب مل کر اس کا دفاع کرینگے۔ اور میدان جنگ سے نہیں بھاگیں گے۔ یعنی پیٹھ نہیں پھریں گے۔ لیکن ان لوگوں نے وعدہ خلافی کی اور بہانا بنا کر یہ کہا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ ہم اپنے گھروں کی حفاظت کے لیے جاتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہ تھا۔ بلکہ موت کے ڈر سے اپنے آپ کو بچا رہے تھے۔ اس لیے مختلف طریقوں اور حیلوں سے فرار کا راستہ تلاش کر رہے تھے۔ کیونکہ یہ اصل میں کفار کے ساتھ تھے۔ حقیقت میں مسلمان نہیں تھے۔ اس لیے یہ طرز عمل اختیار کیا۔

۴) **لوگوں کو اکسانا:۔**

وہ لوگوں کو اکساتے تھے۔ کہ ہمارے طرف آو۔ میدان جنگ چھوڑ دو۔ اس میں بھلائی ہیں۔

۵) **خوف کے وقت کی حالت:۔**

ایسے وقت میں آنکھیں گھما گھما کر آپ کو دیکھتے تھے۔ گویا ان کو موت کی غشی آرہی ہے۔

۶) **مال کی توقع:۔**

خوف جاتا رہا۔ تو انتہائی لالچ کے تحت مال کی توقع کرتے۔

۷) **ایمان سے خالی:۔**

یہ ایمان کی روشنی خالی تھے اور اس سے وجہ ان کے اعمال ضائع ہوگئے۔

۸) **احزاب کا خوف:۔**

ہر وقت اضطراب کی کیفیت سے گزرتے تھے۔ کہ احزاب سر پر نہ آجائے اور اگر آجائیں۔ تو صحرا میں بھاگ کر پناہ لینے کی خواھش کرتے تھے۔ کہ وہاں سے ان کو مسلمانوں کی بری خبریں ملی رہیں۔ اور وہ خوش ہوتے ہیں۔

۹) **اگر یہ موجود بھی ہوتے تو لڑتے کھاں تھے۔**

یہ میدان جنگ میں ہوتے بھی تو بہت کم لڑتے۔ وہ مسلمانوں پر دوائر اور برے انجام کی خواھش تھی۔

الدرس الرابع (ج)

آیات ۲۱ تا ۲۷

سوال ا: مندرجہ ذیل عبارات کا مفہوم بیان کریں۔

(الف) لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوہ حسنہ:۔

ترجمہ:۔

اور یقیناً تمھارے لیے محمد کی زندگی میں ایک بہترین نمونہ ہے۔

مفہوم:۔

یہ آیات جنگ احزاب کے موقع پر نازل ہوئی۔اس میں اللہ تعالیٰ کفار،منافقین اور بعض بزدل مسلمانوں کو جنگ کے آداب سکھاتے ہے۔حضورؐ ایک عظیم الشان آدمی تھے۔میدان جنگ میں ایک جرنیل کی حیثیت سے تجارت میں ایک تاجر کی حیثیت تبلیغ میں ایک مبلغ کی حیثیت سے الغرض تمام حیثیتوں سے آپؐ کا کردار مثالی نمونہ ہے۔آپؐ کی پیروی میں دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ آپؐ نے اخلاق کا ایک اعلیٰ نمونہ پیش یا۔مسلمانوں کے ساتھ دوش بدوش تمام بوجھ اُٹھائے کفار کی اذیتیں برداشت کیں۔لیکن بددعا نہ کی۔اپنے مجرموں کو غلام معافی دی۔کفار کا ایک بڑا لشکر سب پر تھا۔محاصرہ کئے تھا۔آپؐ پر خوف کا کوئی نشان نہ تھا۔الغرض

ا) آپؐ کی زندگی ایک کھلی کتاب ہے۔

۲) اخلاق،عبادت،حالت امن و تنگی کی حالت میں آپ کا عمل بہترین نمونہ ہے۔

۳) اس میں دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔

۴) دیدار الٰہی کا ذریعہ ہے۔

(ب) فمنھم من قضٰی نحبہ ومنھم من ینتظر:

ترجمہ:۔

اور بعض ان میں سے ایسے ہیں۔جنھوں نے اپنا نذر پورا کیا اور بعض انتظار کر رہے ہیں۔

مفہوم:۔

اس آیات میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے۔کہ مومنوں میں سے بعض ایسے ہیں۔جنھوں نے اپنی شہادت کا نذر مانا تھا۔اس کو شہادت نصیب ہوئی۔اور بعض مومن ایسے ہے جو شہادت کے انتظار میں ہیں۔اس لیے کہ انھوں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا۔کہ ہم ہر حال میں محمد عربیﷺ کے ساتھ ہونگے۔اور سارے صحابہ کرامؓ کی شان اور عزت ہیں۔کہ وہ جس جنگ کے لیے بھی اپنے گھر سے نکلتے تھے۔تو شہادت کی نیت سے نکلتے تھے۔اور اس جذبے سے کہ وہ دین کی خاطر کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرینگے۔اللہ تعالیٰ کو راضی کیا۔

تو قرآن پاک میں ارشاد فرمایا۔ترجمہ:۔

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہیں۔اور یہ بھی اللہ سے راضی ہیں۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی عظمت قرآن پاک میں ذکر کیا۔محمدؐ اور دین کے لیے انھوں نے جان کا نذرانہ پیش کیا۔

(ج) وکفیٰ اللہ المئومنین القتال:۔

ترجمہ:۔

اور اللہ مومنوں کے لیے لڑائی میں کافی ہوا۔

مفہوم:۔

(ا) قتال نہیں ہوا:۔

جنگ احزاب میں افواج کا آمنا سامنا ہوا۔لیکن جنگ نہیں ہوئی۔کافروں کے لشکر نے مدینے کا محاصرہ کیا۔جب رسولؐ کو پتہ چلا۔تو انھوں نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا۔اور ان سے مشورہ لیا۔فارسی کی تجویز پر حضور اکرمؐ نے خندق کھودنے کا حکم دیا۔خندق کھودنے کی وجہ سے لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔البتہ کچھ لوگ پار آنے کی وجہ سے مارے گئے۔

(۲) مشکل حالات:۔

اس جنگ میں مسلمانوں کو سخت اور مشکل حالات کا سامنا تھا۔سخت سردی تھی۔اس کے علاوہ خوراک کی بھی کمی تھی۔لہٰذا بھوکے رہ کر خندق کھودی گئی۔کفار نے خندق کے اس پار محاصرہ کیا تھا۔جبکہ اندر شہر میں بنو قریضہ معاہدے سے پھیر گئے۔جس کی وجہ سے حالات نازک صورت حال اختیار کر گئے۔منافقین ساتھ چھوڑ کر بھاگنے کے علاوہ خوف و ہراس بھی پھیلا رہے تھے۔جس کی وجہ سے مسلمان اور بھی کمزور ہو گئے۔لیکن حضورﷺ مطمئن تھے۔اور مسلمانوں کا حوصلہ بڑھا اور فتح کی بشارت دے رہے تھے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا کافی ہونا:۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آندھی اور فرشتوں کا لشکر بھیجا۔ آندھی کی وجہ سے خیمے اکھڑ گئے۔ کھانے کی دیگیں الٹ گئیں۔ اور شراب کے مٹکے ٹوٹ گئے۔ نعیم بن مسعودؓ کا مشورہ آیا۔ اور دشمنوں میں اختلاف پیدا ہو گئے۔ طوفان کی تباہی کو دیکھ کر ابو سفیان اونٹ لیکر بھاگا۔ اور اس کو دیکھ کر دوسرے کافر بھی بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ صبح مسلمانوں نے دیکھا کہ میدان جنگ خالی پڑا ہے۔

(د) من المئومنین رجال صدقوا ما عاهدوا الله علیه:

ترجمہ:۔

مئومنین سے کچھ ایسے بھی تھے۔ کہ جس بات کا اس نے اللہ سے وعدہ کیا تھا۔ اس میں سچے اترے۔

مفہوم:۔

یہ آیات کریمہ جنگ احزاب کے موقع پر نازل ہوئی۔ اور اس ایات کریمہ میں ان صحابہ کرامؓ کا ذکر ہیں۔ جو ایمان میں انتہائی پختہ تھے۔ انھوں نے اللہ سے کیا ہوا وعدہ سچ کر دکھایا۔ وہ جنگ کے دوران سختیوں میں پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ منافقوں کی باتوں میں نہ آئے۔ اور نہ خوف و ہراس سے گھبرائے ان پر افواہوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اور انھوں نے بزدلی کی باتیں کیں۔ نہ انھوں نے جنگ سے بھاگنے کی کوئی بہانے تلاش کیں۔ اور نہ بھوک و پیاس کی پرواہ کی۔ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کے سکون و اطمینان کو دیکھ کر حوصلہ برقرار رکھتے اور اس طرح وہ اللہ کے ہاں سرخرو ہوئے۔ اور اللہ ان سے راضی ہوا۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"ان لوگوں کی سچائی کا اجر میں دونگا۔ کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہ۔"

الدرس الخامس (الف)

آیات ۲۸ تا ۳۴

سوال ا:۔ اس سبق کی آیات کے حوالے سے بتائے کہ اللہ تعالیٰ نے ازواج النبیؐ کو کن دو باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے بارے میں کیا فرمایا؟

جواب: **آیات کریمہ کا مفہوم یہ ہے:۔**

اللہ تعالیٰ نے حضورؐ سے کہا کہ اپنے ازواج مطہرات سے کہہ دو۔ کہ اگر تم دنیا کی زیب و زینت چاہتی ہو۔ تو میرے پاس آؤ تا کہ میں تم کو اچھی طرح سے رخصت کروں۔ یعنی میں تم کو طلاق دے دوں۔ اور اگر اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی طلب گار ہو اور آخرت کی طلب گار ہو۔ تو اللہ نے ایسے لوگوں کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

ان آیاتوں میں دو چیزوں یعنی دنیا اور آخرت میں ایک کو اختیار کرنے کی بات ہے۔

(۱) شان نزول:۔

ہجرت کے ابتدائی سالوں میں مسلمانوں کی مالی حالت کمزور تھی۔ یہ تنگی عمومی تھی۔ امہات المومنین اس تنگ دستی میں خوش تھیں۔ کوئی مطالبہ نہیں کرتی تھیں۔ جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ تو مسلمانوں کی مالی حالت کافی بہتر ہو گئیں۔ امہات المومنین نے دیکھا کہ لوگ آسودہ ہو گئے۔ ان میں سے بعض نے حضورؐ سے گفتگو کی کہ ہم کو مزید نفقہ اور سامان دی جائے۔ کہ اپنی زندگی آرام وسکون کے ساتھ بسر کریں۔ حضورؐ کو یہ بات ناگوار لگی۔ اس کے بعد حضورؐ نے قسم کھالی۔ کہ گھروں کو نہیں جائینگے۔ مسجد کے قریب ایک بالا خانے میں ٹہر گئے اس واقعہ کے وجہ سے صحابہ کرامؓ کافی پریشان تھے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ اپنی بیٹیوں کی فکر تھیں۔ کہ حضور کو ناراض کر کے اپنی عاقبت خراب نہ کر بھیٹیں۔ انہوں نے اپنی صاحبزادیوں کو سمجھایا۔

(۲) تخییر:۔

ایک ماہ کے بعد یہ تخییر والی آیت نازل ہوئی۔ یعنی اپنے ازواج سے صاف صاف کہہ دیں۔ کہ دوستوں میں سے ایک کا انتخاب کر لیں۔ اگر دنیا کی زیب و زینت چاہتی ہو تو میرے پاس آجاؤ تا کہ میں تم کو اچھی طرح سے رخصت کر دوں۔ یعنی طلاق دے دوں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی طلب گار ہو اور آخرت کی طلبگار ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اس سے اعلیٰ مقام کیا ہوگا؟ کہ محمد عربیؐ کے ساتھ جنت میں رہینگے۔ نزول کے بعد حضورؐ مقبول گھر تشریف لائے۔ اول حضرت عائشہؓ کو خدا کا حکم سنایا۔ انہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی مرضی اختیار کی۔ پھر سارے ازواج مطہرات نے ایسا ہی کیا۔ دنیا کے عیش کو دل سے نکالا۔ اور حضورؐ کے ساتھ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے لگیں۔ پھر اسی زندگی پر ازواج مطہرات راضی تھیں۔ کہ ان کا درجہ اس نسبت کی وجہ سے بہت بلند ہے۔ چاہیے کہ ان کی اخلاقی اور روحانی زندگی اس معیار پر ہو۔ اس مقام رفیع کے مناسب ہے۔ وہ امہات المومنین ہیں۔ لازم ہے کہ ان کے اعمال و اخلاق امت کے لیے اسوہ حسنہ ہیں۔

سوال ۲:۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہؐ کی ازواج مطہرات کو کن احکام اور آداب کی تلقین فرمائی؟

جواب: حضورؐ کا مرتبہ اور مقام اعلیٰ اور اونچا ہے۔ وہ جلیل قدر پیغمبر، رحمت عالم اور امام الانبیاءؐ تھے۔ اسی طرح آپؐ کی ازواج مطہرات بھی اعلیٰ اور اونچے مرتبے کی مالک ہیں۔ انکا کردار اور اخلاق پاکیزہ تھا۔ انکا دنیاوی زندگی کا تقاضہ بھی فطری عمل تھا۔ لیکن حضور فقر و فاقہ، قناعت اور توکل کے شہنشاہ تھے۔ اس لیے اس مطالبے کو موزوں نہ سمجھا اس سلسلے میں قرآن نے ازواج مطہرات کے متعلق کچھ

آداب واحکام کی تلقین کی۔مگر دراصل یہ امت مسلمہ کی ہر خاتون کے لیے بھی رہنمائی دے رہی ہے۔قرآن کریم نے مندرجہ ذیل احکام وآداب کی تعلیم دی۔

(۱) فواحش سے اجتناب کی تاکید:۔

کہا گیا کہ کھلی فواحش کا ارتکاب مت کیجیے۔ورنہ دوگنا سزا ملے گی یہ اس لیے کہ وہ دوسری عورتوں کی طرح نہیں۔اس حکم سے مراد یہ نہیں کہ ازواج مطہرات سے کسی فحش کام کا اندیشہ تھا۔بلکہ مطلب یہ تھا۔کہ ان کا معاشرے میں مقام بلند ہے۔اس لحاظ سے ذمہ داریاں بھی زیادہ تھیں۔اور اخلاقی لحاظ سے اعلیٰ پاکیزگی اختیار کرنے کی ضرورت تھی۔کہ ان کے اجلے بے داغ دامن پر کوئی دھبہ نہ ہو۔

(۲) اللہ اور اس کی رسولؐ کی اطاعت اور نیک اعمال کیا دوگنا اجر:۔

ازواج مطہرات کے مقام اور اعلیٰ مرتبے اور ذمہ داریوں کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ اور اس کی رسولؐ کی اطاعت اور نیک اعمال کرنے پر دوگنا اجر دینے کا حکم دیا۔

(۳) نامحرم سے گفتگو:۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کسی مجبوری کے تحت کسی نامحرم سے بات کرنی پڑے۔تو تمھارا انداز گفتگو میں نرمی نہ ہو۔بلکہ باوقار اور محتاط ہونا چاہیے۔تاکہ مخاطب کو کوئی غلط فہمی نہ ہو۔اور یہ انداز غیر اخلاقی بھی نہ ہو۔کہ نبوت سے اس کی امید نہ رہے۔

(۴) گھروں میں ٹھرنا:۔

اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو حکم دیا۔کہ تمہارے لیے گھروں میں ٹھہرنا بہتر ہے۔تہذیب اسلام کے تحت عورت کا اصل دائرہ عمل اس کا گھر ہے۔اور یہی اس کی فرائض کی ادائیگی کے لیے بہترین جگہ ہے۔جائز ضروریات کے لیے باہر نکلنے میں عورتوں کے لیے اسلام میں کوئی قباحت نہیں۔

(۵) جاہلانہ بناؤ سنگھار سے احتراز:۔

زمانہ جاہلیت میں عورتین بناؤ سنگھار کر کے بے حجاب و بے نقاب پھرتی تھیں۔حسن و جمال و خوبصورتی کی نمائش کرتی تھیں۔اللہ تعالیٰ نے اسے سختی سے روکا۔کہ جاہلانہ عورتوں کی طرح کھلی آرائش و زیبائش سے بچیں۔

(۶) اقامت صلواۃ:۔

اللہ تعالیٰ نے امہات المومنین کو نماز کے قیام اور زکواۃ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی بھی تلقین دی۔

سوال۳: مندرجہ ذیل عبارت کا مفہوم بیان کریں۔

الف یاایھا النبی لستن کا احد من النساء:۔

ترجمہ:۔

اے نبیؐ کے ازواج تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

مفہوم:۔

درج بالا آیات میں اللہ تعالیٰ ازواج مطہرات سے فرمایا کہ تمھارے مقام دوسری عورتوں سے اونچا ہے۔ان کے اعمال کا اثر صرف ان تک محدود ہیں۔لیکن تمھاری ایک امتیازی مقام ہے۔تم ساری امت کی مائیں ہو۔تم تقویٰ کے بہترین نمونے ہو۔تمہارے اعمال ساری دنیا کے لیے ایک نمونہ ہے۔آپ کو چاہیے کہ زندگی کے ہر قدم پر احتیاط کریں۔تاکہ دامن نبوت داغدار نہ ہو جائے۔آپ کا کردار مثالی ہونا چاہیے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمہاری سزا و جزا میں فرق رکھا ہیں۔تم سے اللہ نے دگنے اجر اور دگنی سزا کے وعدہ اور وعید کی بات کی ہے۔

(ب) وقرن فی بیوتکن:۔

ترجمہ:۔

اور تم اپنے گھروں میں ٹھری رہو۔

مفہوم:۔

اس آیات سے مراد یہ ہے کہا ازواج مطہرات اپنے گھروں میں ٹھری رہیں۔لیکن یہ بھی مدنظر رہے۔کہ اصل خطاب تمام مسلمان عورتوں کے لیے ہیں۔کہ وہ اپنے گھروں میں آرام سے رہیں۔ان کا میدان عمل گھر ہی ہے۔جو فرائض کی ادائیگی کے لیے بہترین جگہ ہے۔حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ عورتوں نے آپؐ سے عرض کیا کہ مردوں نے ساری فضیلت لوٹ لی۔وہ جہاد کرتے ہیں۔ہم گھر بیٹھ کر ثواب سے محروم رہ جاتی ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ۔

"جو تم میں سے گھر بیٹھ کر فرائض ادا کرے گی وہ مجاہدین کے عمل کو پالے گی"

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ عورت مستور رہنے کے قابل چیز ہے۔جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے قریب تر گھر کے اندر ہوتی ہیں۔

(ج) **ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ:**

ترجمہ:

گزشتہ دورِ جاہلیت کی طرح زیب و زینت نہ دکھاؤ۔

مفہوم:

درج بالا آیات میں دورِ جاہلیت کی بات کی گئی۔ اسلام سے پہلے عرب اور دنیا کے کچھ اور حصوں کے خواتین جس بے پردگی اور زیبائش کی اظہار کرتی تھیں۔ اس سے مکمل طور پر منع کیا گیا۔ جاہلیت اولیٰ کی باتیں مثلاً ایک آدمی کو کسی شخص نے ماں کی گالی دی۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔

"تم میں ابھی تک جاہلیت موجود ہے"

آیات کریمہ میں لفظ تبرج سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہے کھلنا، ظاہر ہونا وغیرہ۔ عورت کے لیے اس لفظ کے استعمال میں مندرجہ ذیل باتیں داخل ہوتی ہیں۔

۱) اپنا جسم دکھانا۔ ۲) اپنے آپکو نمایاں کرنا۔ ۳) تنگ لباس پہننا ۴) نیم عریاں لباس پہننا۔

یہاں بظاہر خطاب ازواج مطہرات سے ہے۔ لیکن یہ خطاب عام ہے۔ اور آج کل کے زمانے کے لیے تو یہ انتہائی ضروری ہدایت ہے۔ اور نیم عریانی لباس میں بے پناہ آضافہ ہوا ہے۔ اور اس مغربی تہذیب کے مصائب و مفاسد مسلمان خواتین میں خطرناک حد تک آگئے ہیں۔

الدرس الخامس (ب)

آیات ۳۵ تا ۴۰

سوال ۱: اس سبق میں مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی کیا اوصاف بیان ہوئیں ہیں۔ اور اس کے لیے انھیں کس اجر کی نوید سنائی گئی ہیں؟

جواب: اس سبق مین مسلمان مردوں اور مسلماں عورتوں کا علیحدہ علیحدہ ذکر فرما کر دونوں لے لیے معفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور بتایا ہے کہ یہ دس اوصاف مرد و عورتوں کے لیے یکساں موجود ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کے ہاں دونوں کا مرتبہ یکساں اور اجر برابر ہوگا۔

۱) پہلی صفت مسلمین اور مسلمات کی فرمائی گئی ہے۔ اس میں اسلامی اعمال کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی وہ اسلام کی روشنی سے مالا مال ہو۔ مثلاً نماز، روزہ وغیرہ سے سرشار ہو۔

۲) دوسری صفت مئومنین اور مئومنات کی بیان ہوئی ہے۔ یعنی وہ مرد اور عورتیں جو اسلام کے صحیح عقائد کے پابند ہو۔

۳) تیسری صفت قانتین اور قانتات کی بیان کی گئی ہے۔ یعنی وہ مرد و عورتیں جو اللہ اور اسکے رسولؐ کے حکم کے مطابق مطیع اور فرمانبردار ہو۔

۴) چوتھی صفت صادقین اور صادقات کی بیان کی گئی ہے۔ یعنی وہ مرد و عوریں جو قول، عمل اور کردار کے لحاظ سے سچے اور کھرے ہو۔ جھوٹ، فریب اور داغا بازی سے خالی ہو۔

۵) پانچویں صفت صابرین اور صابرات کی بیان ہوئی ہے۔ یعنی وہ مرد و عورت جو دین کے راستے میں مشکلات، تکالیف، نقصانات اور اذیتوں کا خندہ پیشانی کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں۔ اور صبر و استقامت سے کام لیتے ہیں۔

۶) چھٹی صفت خاشعین اور خاشعات کی بیان ہوئی ہے۔ یعنی وہ مرد و عورتیں جو تکبر، بڑائی اور غرور سے خالی ہیں۔ ان کے دل و جسم دونوں صرف اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے جھکتے ہیں۔

۷) ساتھویں صفت متصدقین اور متصدقات کی فرمائی گئی ہیں۔ یعنی وہ مرد اور عورتیں جو زکواۃ باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں۔ اور کھلے ہاتھ سے اپنے مال یتیموں، مسکینوں، بیماریوں محتاجوں، بیواؤں، مسافروں اور مجاہدین وغیرہ پر خرچ کرتے ہیں۔

۸) آٹھویں صفت صائمین اور صائمات کی بیان کی گئی ہیں۔ یعنی وہ مرد و عورتیں جو فرضی روزہ کے ساتھ ساتھ نفلی روزے رکھتے ہیں۔

۹) نویں صفت حافظین اور حافظات کی بیان کی گئی ہیں۔ یعنی وہ مرد و عورتیں جو اپنے شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور دیگر جنسی راہ روی کاموں سے پرہیز کرتے ہیں۔

۱۰) دسویں صفت ذاکرین اور ذاکرات کی بیان کی گئی ہیں۔ یعنی وہ مرد و عورتیں جس کے دل میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد ہوتی ہے۔ اور ہر وقت ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے مردوں اور عورتوں کے لیے بڑا اجر تیار رکھا ہیں۔

سوال ۲: اللہ اور اسکے رسولؐ کے فیصلوں کے بارے میں اہل ایمان کا کیا طرز عمل ہونا چاہیے؟

جواب: اصل میں بات اس وقت نازل ہوئی۔ جب رسول پاکؐ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کے لیے حضرت زینبؓ کا رشتہ مانگا۔ لیکن حضرت زینبؓ کے بھائی عبداللہؓ نے رشتہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیات نازل ہوئی۔ تو پھر انکار کی صورت نہیں رہی۔ لیکن یہ حکم عام ہے۔ اور قرآن مجید میں یہ دوٹوک بات کر دی۔ کہ کسی مرد و عورت کو یہ حق حاصل نہیں۔ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ مقرر کریں۔ کہ وہ اپنا اختیار استعمال کر سکے۔ بلکہ اس فیصلے کو دل و جان سے قبول کرنا اس کا ایمانی فرض ہوتا ہے۔ جو لوگ قرآن و سنت کو چھوڑ کر خود فیصلے قائم کرتے ہیں۔ تو وہ صریح گمراہی میں جا پڑا۔ قرآن مجید میں ان لوگوں کے لیے فاسق، ظالم اور کافر کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

سوال۳: اس سبق میں حضرت زیدؓ کے بارے میں جو باتیں بیان کی گئی ہے۔ان کی وضاحت کریں۔

جواب: **حضرت زید بن حارثہؓ:۔**

حضرت زید بن حارثہؓ کولڑکپن میں کوئی ظالم پکڑ کرلایا۔اور بازار میں عکاظ میں حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے پہ بھیج دیا۔انھوں نے حضرت خدیجہؓ پرنذر کیا۔جب حضورؐ کا حضرت خدیجہ سے نکاح ہو۔تو انھوں نے یہ غلام حضورؐ کو ہبہ کیا۔جب ہوشیار ہوئے تو ان کے والد حضورؐ کے پاس آئے۔اور معاوضہ دے کر جانے کا کہا۔لیکن حضرت زیدؓ نے جانے سے انکار کردیا۔کیونکہ آپ ﷺ کو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے۔اور آپ ﷺ نے اسے آزاد کر کے انھیں اپنے لے پالک بنایا۔لوگ انھیں زید بن محمد کہہ کر پکارتے تھے۔جب یہ آیات کریمہ نازل ہوئی کہ انھیں اپنے باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو۔تو پھر زید بن حارثہؓ کہلانے لگا۔

۲) **حضرت زید بن حارثہؓ پر اللہ تعالیٰ کے انعام:۔**

حضرت زیدؓ پر اللہ نے دو انعام کیے۔ایک یہ کہ آپ مشرف بہ اسلام ہوئے۔اور آپ کی صحبت کا شرف عطا فرمایا۔آپ کا نام "زید" سراحت کے ساتھ قرآن مجید میں وارد ہوا۔

دوسرا یہ کہ آپؐ نے اسے آزاد کر کے اپنا لے پالک بنایا۔اور ان کی اپنی پھوپھی زاد سے نکاح کروایا۔

۳) **حضرت زیدؓ کی حضرت زینبؓ سے شادی کی خواہش:۔**

حضورؐ آزاد اور غلام کی تعریف مٹانا چاہتے تھے۔اس لیے آپؐ نے اپنی پھوپھی زاد کا رشتہ زید کے لیے مانگا۔پہلے تو حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی نے انکار کیا۔لیکن قرآن کریم کی ہدایت پر فوراً رضامندی ہوئی۔نکاح تو ہو گیا۔لیکن حضرت زینبؓ کی خاندانی حیثیت بلند تھی۔اور زیدؓ ایک آزاد کردہ غلام تھے۔اس لیے شادی کامیاب نہیں ہوئی۔اور طلاق ہو گئی۔

۴) **اللہ تعالیٰ کی ناراضگی:۔**

حضورؐ کو وحی کے ذریعے اطلاع ہوئی کہ حضرت زینبؓ کو طلاق ہونے والی ہے۔اور آپؐ ان کو نکاح میں لے لیں۔اس علم کے باوجود حضورؐ نے حضرت زیدؓ کو طلاق دینے سے منع فرمایا۔کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے فرمایا:

"آپ ﷺ جو بات دل میں چھپائے تھے۔اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے والے ہے۔"

۵) **کفار کے طعنوں کا خدشہ:۔**

حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے درمیان جو کچھ ہو۔آپ ﷺ اس کی تلافی چاہنے کے لیے حضرت زینبؓ سے شادی کی رغبت رکھتے تھے۔تاکہ تلخ اثرات ختم ہو۔لیکن حضرت زیدؓ آپ ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے۔اور جاہلیت کے زمانے میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کے حقوق حاصل تھے۔اس لیے اس کی مطلقہ سے شادی بھی حرام تھی۔

۶) **اللہ تعالیٰ کا حکم:۔**

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کے ذریعے یہ حکم دیا کہ منہ بولا بیٹا کبھی حقیقی بیٹا نہیں ہوسکتا۔ان کو اپنے باپوں کی طرف منسوب کرو۔اس حکم کے آنے کے بعد آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے شادی کی اور جاہلانہ رسم ختم کیا۔حضرت زید بن حارثہؓ آپ ﷺ کو تمام عمر محبوب رہے۔اور اہم امور انجام دیتے رہے۔

سوال۴: مندرجہ ذیل عبارت کا مفہوم لکھیں۔

(الف) **وما کان لمئومن ولا مئومنة اذا قضیٰ الله ورسوله امراان یکون لهم الخیرة من امرهم.**

ترجمہ:۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول جب کوئی فیصلہ کرلے تو کسی مومن مرد یا عورت کو کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔کہ وہ اپنی من مانی کریں۔

مفہوم:۔

یہ بات اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد حضرت زینبؓ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔حضرت زینبؓ کا خیال تھا کہ رسول ﷺ اپنے لیے نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔جب معلوم ہوا۔کہ پیغام حضرت زیدؓ کا ہے۔تو حضرت زینبؓ اور اس کے بھائی نے انکار کیا۔اس انکار کے بناء پر یہ آیات نازل ہوئی۔جس کے مطابق مئومن مرد سے مراد عبداللہ اور مئومن عورت سے مراد حضرت زینبؓ ہے۔جب ان کو ارشاد خداوندی کا پتہ چلا۔تو فوراً رضامندی ظاہر کی۔اگر چہ یہ بات خاص موقع کے لیے نازل ہوئی۔لیکن یہ حکم عام ہے۔اور کسی بھی مئومن مرد یا عورت کو حق نہیں پہنچتا۔کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلہ کردہ احکامات کو ٹکرا کر اپنے اختیار سے فیصلہ کریں۔جو بھی فیصلہ کرنا ہو قرآن و سنت کے مطابق کرنا چاہیے۔

(ب) **ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول الله و خاتم النبیین.**

ترجمہ:۔

محمد ﷺ تمھارے مردوں میں کسی کا باپ نہیں۔لیکن اللہ کا رسول اور خاتم النبیین ہے۔

مفہوم:۔

جب حضورﷺ نے حضرت زیدؓ کی طلاق شدہ بیوی سے نکاح کر لیا۔ تو یہودیوں، منافقین اور کافروں نے طعنے دیئے۔ اور کہا کہ محمدﷺ نے اپنے بیٹے کی طلاق یافتہ بیوی یعنی اپنی بہو سے شادی کی۔ کیونکہ جاہلیت میں یہ رواج تھا۔ کہ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا سمجھتے تھے۔ اس لیے حضورﷺ غلط رواجوں کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ اور طعنہ سن کر خاموش رہتے تھے۔ اس بات پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ حضورﷺ کسی مرد کے نسلی باپ نہیں۔ کیونکہ آپﷺ کے تمام صاحبزادے بچپن ہی میں وفات پائے تھے۔ البتہ ساری امت کے لیے روحانی باپ ہے۔ اس طرح مخالفین کے منہ بند ہوئے۔ اور فرمایا کہ وہ اللہ کے رسولﷺ ہے۔ اور خاتم النبیین ہے۔ یعنی آپﷺ کی آمد سے اور انبیاء کا سلسلہ ختم ہوا۔ اب قیامت تک کسی اور کو نبوت نہیں ملے گی۔ آخر حضرت عیسیٰؑ آپﷺ کی امت کی حیثیت سے آئیں گے۔

ج) **اللذین یبلغون رسالٰت اللہ و یخشونہ ولا یخشون احد الااللہ.**

ترجمہ:۔

وہ انبیاء اللہ تعالیٰ کے پیغامات لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ اور اسی سے ڈرتے ہیں۔ اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

مفہوم:

منصب رسالت پر وہی فائز ہوتا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے منتخب کیا ہو۔ یہ انتہائی عزیم القدر انسان ہوتے ہیں اور اپنے فرائض کو بخوبی ادا کرتے رہتے ہیں۔ اللہ کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتے۔ کیونکہ اوروں کے ساتھ رسالت کی ذمہ داری سے عہدہ برآمد ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ انبیاء بزدل نہیں بلکہ بہادر ہوتے ہیں۔ اس آیات کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے۔ کہ انبیاء وہی کرتے ہے۔ جس کے کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ حضورﷺ نے حضرت زینبؓ کے نکاح کے سلسلے میں لوگوں سے کوئی خوف نہ کھائی۔ کیونکہ انبیاء کرام اللہ کے فیصلے نامزد کرتے ہیں۔ کیونکہ انبیاء کا انتخاب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہ گناہوں سے معصوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور مخالفت کی پرواہ نہیں کرتے۔ جس طرح حضورﷺ نے اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ کی طلاق یافتہ بیوی سے نکاح کیا۔ جس سے زمانہ جاہلیت کا رواج ختم کیا۔ اور لوگوں کے بجائے اللہ سے ڈر اور اللہ کی حکم کی تعمیل کی۔

الدرس الخامس (ب)

آیات ۴۱ تا ۵۲

سوال ا: اس سبق میں اللہ تعالیٰ نے رسولﷺ کا کیا مقام و منصب بیان کیا ہے؟

جواب: ۱) **رسول اللہﷺ کا مقام:۔**

اللہ تعالیٰ نے آپﷺ کو کامل انسان بنایا۔ آپﷺ کو عظیم الشان مرتبہ دیا۔ آپﷺ کو اخلاق کریمہ عطا کیا۔ آپﷺ کو رحمت للعلمین کا خطاب دیا۔ اور خاتم النبیین کا اعزاز دیا۔ آپﷺ کو امام الانبیاء کا تاج پہنایا۔ آپﷺ کے دل مبارک کو قرآن عظیم الشان جیسے صحیفہ لازوال معجزہ اور مقام نزول بنایا۔ قاب قوسین جتنے کم فاصلے سے معراج کے بام عروج پہنچا کر اپنے انوار سے مستفید ہونے کا موقع دیا۔ اور مہمان عظیم بنایا۔

۲) حضورﷺ کے منصب:۔

اس سبق میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہﷺ کے مندرجہ ذیل منصب بیان فرمائے ہیں۔

۳) شاھد:۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ اے نبیﷺ نے آپ کو شاھد بنا کر بھیجا۔ شاھد کے معنی ہے۔ گواہی دینے والا۔ آپﷺ اس لحاظ سے شاھد ہیں۔ کہ آپﷺ نے اللہ تعالیٰ کی توحید سکھائی۔ اور اس پر گواہی دی۔ جو کچھ کا اس پر گواہ ہے۔ اور قیامت کے دن بھی امت کی نسبت گواہی دیں گے۔

۴) مبشر:۔

اللہ تعالیٰ نے آپﷺ کو مبشر بنا کر بھیجا۔ یعنی خوشخبری دینے والا۔ آپﷺ کی دعوت جس نے قبول کیا۔ اور اس پر عمل کیا۔ تو آپﷺ اس کو جنت کی اور دیدار الٰہی کی خوشخبری دیں گے۔

۵) نذیر:۔

آپﷺ کو نذیر بھی بنا کر بھیجا۔ یعنی ڈرانے والا۔ یعنی جو لوگ آپﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں۔ اور حق کے راستے سے منہ موڑتے ہیں۔ تو آپﷺ ان کو دوزخ کی آگ سے ڈراتے تھے۔ تاکہ یہ لوگ دوزخ کا ایندھن نہ بنے۔

۶) داعی الی اللہ:۔

اللہ تعالیٰ نے آپﷺ کو داعی یعنی بلانے والا کہا۔ آپﷺ کو ایسے وقت مبعوث کیا گیا۔ کہ ہر طرف تمام امتوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلایا تھا۔ آپﷺ نے انتہائی خوش اسلوبی سے لوگوں کو دعوت دی۔ مصیبتیں برداشت کیں۔ لیکن ہمت نہ ہاری۔ آپﷺ نے صرف ۲۳ سال کے عرصے میں معاشرے کو سلیقہ، تہذیب اور وحدت حق کا سرشار بنایا۔

۷) سراج منیر:۔

آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے روشن چراغ بنایا۔ جسمانی اور روحانی ہر لحاظ سے مجموعہ انوار تھے اور نہایت حسین اور جمیل شخص تھے۔ لوگ آپ ﷺ کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے تھے۔ وحی الٰہی نے آپ ﷺ کے دل و دماغ کو تابان بنایا۔ یہی سے آپ ﷺ کی خوبصورت سے روشنی کے حامل الفاظ نکل کر دلوں میں گھر بناتے تھے۔ تمام تاریکیوں کو دور کرتے تھے۔ اس طرح آپ ﷺ کی ذات پر اترنے فیوض و برکات، ہدایت اور ارشاد کی شعاعیں پھیلائے۔ گویا آپ ﷺ واقعی سراج منیر تھے۔

سوال۲: اس سبق میں طلاق کا کیا خاص حکم بیان ہوا ہے؟

جواب: قرآن کریم نے طلاق کے بارے میں فرمایا۔

"اے ایمان والوں! جب تم نکاح کرو مومن عورتوں سے اور پھر تم اسے ہاتھ لگائے بغیر طلاق دو۔ تو ایسی عورت پر عدت واجب نہیں"۔ ایسی عورت کو غیر مدخولہ کہتے ہیں۔ ایسی عورت کے عدت شرط نہیں۔ وہ اسی وقت بغیر انتظار کیے دوسرے مرد سے شادی کر سکتی ہے۔ اور مدخولہ کے لیے شرط ہے۔ یعنی جس عورت کے ساتھ مباشرت کی گئی ہو اور طلاق ہو جائے۔ تو اس عورت کے لیے عدت تین مرتبہ حیض آ کر پاک ہونے تک ہوتی ہیں۔ اور جس عورت کو کسی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین مہینے مقرر ہیں۔

مہر:۔

مہر کے مطلق شریعت کا حکم ہے کہ اگر غیر مدخولہ کی مہر مقرر ہو۔ اور طلاق ہو جائے۔ تو خاوند نصف مہر ادا کرے گا۔ اور اگر عورت معاف کر دے۔ تو اور بات ہے۔ خاوند پورا مہر بھی ادا کر سکتا ہے۔ لیکن اگر مہر مقرر نہ ہوئی ہو تو طلاق دینے والا کچھ نقد رقم دے کر عزت سے رخصت کر دیں۔

سوال۳: ان آیات میں رسول ﷺ کے لیے نکاح کے کیا خصوصی ضوابط بیان کئے گئے ہیں؟

جواب: **۱) حضور ﷺ اور عام آدمی کے نکاح میں فرق:۔**

قرآن کریم میں فرمایا کہ نکاح کے معاملے میں عام آدمی جیسا نہیں۔ عام آدمی کو ایک وقت میں چار بیویاں رکھنے کی اجازت تھیں۔ لیکن آپ کو تعلیم اور مصلحت امت کی خاطر متعدد نکاح کرنے کی اجازت تھیں۔

۲) آپ ﷺ کے لیے بیویوں کی تعداد شرط نہیں:۔

آپ ﷺ کو چار شادیوں سے زیادہ شادیوں کی اجازت تھی۔ کفار اور منافقین نے اعتراض کیا تو اللہ نے یہ آیات نازل فرمائی۔ کہ پیغمبر مہر ادا کر کے جتنی بیویاں رکھ سکتا ہے رکھ لیں۔ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے لونڈیوں سے شادی کی اجازت دی گئی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے انھیں آزاد کر کے ان سے شادی کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو چچازاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد اور خالہ زاد لڑکیاں جنھوں نے آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی ہو۔ اور آپ ﷺ کو پسند آئی ہو۔ اجازت دی گئی تھی۔ اس کے ساتھ جو مومنہ مہر کے بغیر اپنے آپ کو پیغمبر کے لیے بخش دے۔ اس کے ساتھ بھی شادی ہو سکتی ہے۔

الدرس السادس (الف)

آیات ۵۳ تا ۵۸

سوال۱: ان آیات میں اہل ایمان کو رسول اللہ ﷺ کے گھرانے کے بارے میں کیا آداب سکھایا گیا ہے؟

جواب: اہل ایمان کو رسول اللہ ﷺ کے گھرانے کے بارے میں مندرجہ ذیل آداب سکھائے گئے ہیں۔

۱) لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یوذن:۔

ترجمہ:۔

بغیر اجازت کے نبی ﷺ کے گھر میں داخل نہ ہو۔

مفہوم:۔

کہا گیا ہے کہ پیغمبرؐ کے گھر بغیر اجازت کے داخل نہ ہو جایا کرو۔ قرآن کریم نے عربوں کے اس رواج کو ختم کیا۔ کہ بغیر کسی ضرورت کے بن پوچھے گھروں کے اندر جاتے تھے۔ اسلام نے اس طریقے کو منسوخ کیا۔ اور فرمایا۔

"اذا دعیتم فادخلوا"

ترجمہ:۔

جب تمھیں بلایا جائے تو تم داخل ہو۔

لیکن اس وقت فرمایا گیا۔

"الیٰ طعام غیر نظرین انه"

ترجمہ:۔

کھانا پکنے کی راہ نہ تکو۔عربوں میں غیر مہذب طریقہ یہ بھی تھا۔کہ کھانا کھانے سے پہلے جایا کرتے تھےاور کھانا پکنے کی انتظار کرتے تھے۔اور برتنوں کو گور گور کر دیکھتے تھے۔چنانچہ اس بے ہودہ عادت سے بھی ممانعت کی گئی۔ساتھ یہ بھی فرمایا گیا ہے۔

"فاذا طعمتم فانتشروا ولامستانسین لحدیث"

ترجمہ:۔

جب تم کھالوتو منتشر ہوجایا کرو۔اور باتوں کے لیے جی لگا کر نہ بیٹھے رہو۔عربوں کی یہ عادت تھی کہ کھانا کھانے کے بعد دیر تک باتیں کرنے کے لیے بیٹھتے رہتے تھے۔اس طویل نشستوں سے حضور کو بڑی تکلیف پہنچتی تھی۔اور رسالت کے اہم کام ادورے رہ جاتے تھے۔چنانچہ کھانا کھانے کے بعد گپ شپ کی بھی ممانعت کی گئی۔

۲) **اسئلو ھن من ورآء الحجاب:۔**

ترجمہ:۔

پردے کے پیچھے مانگیں۔

مفہوم:۔

پردے کے حکم آنے سے پہلے لوگ ازواج مطہرات سے بے حجاب باتیں کرتے تھے۔چنانچہ آیات حجاب آئی۔اور ہدایت دی گئی۔

"واذا سالتموھن متاعافاسئلوھن من وراء الحجاب"

ترجمہ:۔

اگر تمھیں کچھ مانگنا ہوتو پردے کے پیچھے مانگا کرو۔

مفہوم :۔

اس میں دل اور روح کی پاکیزگی ہے۔یہ حکم پھر تمام مسلمانوں کے گھروں تک پھیل گیا۔اور یہ حکم عام ہوا۔ساتھ میں فرمایا گیا۔

"ولا تنکحو ازواجه من بعده ابداً"

ترجمہ:۔

حضورؐ کے وفات کے بعد آپ ﷺ کی بیویوں سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

مفہوم:۔

وہ تمام امت کی مائیں ہیں۔اور شریعت میں ماں سے نکاح کرنا حرام ہے۔حضور ﷺ کے گھر ازواج کے والدین، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں، میل جول کی عورتوں اور غلام کنیز کو آنے کی اجازت تھی۔اور پھر یہ تمام احکامات دوسرے مسلمانوں کے گھر پر بھی لاگو ہوگئے۔

سوال۲: رسول اکرم ﷺ کے ہاں کھانے کی دعوت پر آنے والوں کو کن آداب کی تعلیم دی گئی؟

جواب:۔ رسول اکرم ﷺ کے ہاں کھانے کی دعوت پر آنے والوں کو درج ذیل آداب کی تعلیم دی گئی ہیں۔

۱) حضور ﷺ کے گھر بلا اجازت کے داخل نہ ہو۔

۲) اگر کسی کو آپ ﷺ کے گھر میں کھانے کی دعوت دی گئی ہے۔تو وہ کھانا کھانے جا سکتا ہے۔

۳) کھانا کھانے سے کافی وقت پہلے جا کر انتظار میں بیٹھے رہنا اور پکوان کی تیاری کو تکنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

۴) کھانا کھانے کے بعد فضول باتوں میں مشغول ہونا اور گفتگو کا طویل سلسلہ ممنوع قرار دیا ہے۔

۵) کھانا کھانے کے بعد واپس اپنے گھروں کو لوٹنا چاہیے۔

سوال۳: نبی کریم ﷺ پر درود و سلام کی کیا اہمیت ہے؟ اور اس کے متعلق کیا حکم دیا گیا ہے؟

جواب: حضور ﷺ انتہائی عظیم الشان پیغمبر ہیں۔آپ ﷺ رحمت اللعالمین ہیں۔تا قیامت آپ ﷺ کی رسالت کا سلسلہ جاری رہے گا۔آپ ﷺ کی عظمت کی انتہا تو یہ ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا۔

"ان الله و ملئکته یصلون علیٰ النبی یاایھاالذین آمنو صلو علیة و سلمو تسلیما "

ترجمہ:۔

اللہ اور اس کے فرشتے آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی آپ ﷺ پر درود اور سلام بھیجو۔

درود شریف کی فضیلتیں:۔

درود ایک وسیع اور خوب صورت عنوان ہے۔ کیونکہ اسکی بے شمار فضیلتیں ہیں۔

احادیث:۔حضور ﷺ نے فرمایا:۔

۱) **من صلیٰ علی مرة فتح الله له بابا من العافیه.**

یعنی جس نے مجھ پر ایک مرتبہ بھی درود بھیجا اللہ نے اس کے لیے عافیت کا ایک دروازہ کھولا

۲) جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ دس خطائیں معاف کر دے گا اور بلندی کے دس درجات مل جائیں گے۔

۳) جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے۔ اس کے لیے ایک قیراط ثواب لکھ دیا جائے گا۔ ایک قیراط " کوہ احد" کے برابر ہوتا ہے۔

زیادہ درود بھیجنا:۔

جو شخص مجھ پر صبح و شام دس مرتبہ درود بھیجے گا۔ اسے میری شفاعت مل جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔ کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ قیامت کے دن مجھ سے زیادہ قریب وہ ہوگا۔ جو مجھ پر زیادہ درود بھیجتا ہو۔ جب بھی میرا ذکر ہو، مجھ پر درود بھیجو۔ درود کی فضیلت اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے۔ کہ ہر نماز کے تشہد میں التحیات کے ضمن میں شہادت کے بعد آپ کو ہر نمازی درود و سلام بھیجتا ہے۔ یہ نماز کا حصہ بن گیا ہے۔ اس کے علاوہ ہمیں چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجے۔

الدرس السادس (ب)

آیات ۵۹ تا ۶۸

سوال ۱: اس سبق میں مسلمان عورتوں کو پردے کے سلسلے میں کیا ہدایت دی گئی ہے؟ اور اس کی کیا حکمت بیان کی گئی ہے؟

جواب: مدینہ منورہ میں یہود، مشرکین اور منافقوں کی کافی تعداد موجود تھی۔ یہ لوگ حیا کے قدروں سے واقف نہ تھے۔ ابھی پردے کا حکم نہ آیا تھا۔ اس لیے عورتیں گھر سے بغیر پردے کے جاتی رہتی تھی کچھ اوباش لڑکے کھڑے ہو کر نازیبا حرکات کرتے۔ کبھی ان حرکات کے زد میں مسلمان عورتیں بھی آجائیں۔ کچھ موقعوں پر ان کمینہ لڑکوں نے کہا کہ ہم پہچان نہ سکے۔ جب یہ مسئلہ بارگاہ رسالت میں پہنچا۔ تو آپ ﷺ پریشان ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیات نازل ہوئی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور ساری مسلمان عورتوں کو فرما دیں۔ کہ وہ اپنے اوپر چادریں ڈال دیا کریں۔ قریب تر ہے کہ ان کی پہچان ہو جائے۔ اور انھیں نہ ستایا جائے۔ یعنی جب وہ باہر نکلیں۔ تو اپنے جسم پر بڑی چادر لٹکا کر نکلا کریں۔ اور گھونگھٹ نکال لیا کریں۔ نگاہ نیچے رکھے۔ اور اونچی آواز سے باتیں نہ کریں۔ زیور بجنے کی بھی آواز سنائی نہ دیں۔

حکمت:۔

اس حکم کے بعد مسلمان خواتین چادر اوڑھ کر باہر نکلتی تھی۔ تو مسلمان خاتون کا دور سے پتہ چل جاتا تھا۔ اور اوباش لڑکے راستے سے ہٹ جاتے تھے۔ اس طرح چادر عفت و حیا کی نشانی بن گئی۔ پردے کی اور بھی حکمتیں ہیں۔ اس سے جسمانی عیوب کا پتہ نہیں چلتا کہ چادر کے اندر کیسی خاتون ہے۔ نہ رنگ و صورت اور نہ عمر کا پتہ چلتا ہے۔ "ان یعرفن" کا مفہوم بھی یہی ہے کہ اس کی پہچان نہ ہو سکیں۔

سوال ۲: ان آیات میں منافقین مدینہ کو کیا تنبیہ کی گئی ہے اور انھیں کیا وعید سنائی گئی ہے؟

جواب: منافقین سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو بظاہر تو مسلمان تھے لیکن اصل میں کفار کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔

منافقین اسلام کے اندر رہ کر اصل میں اسلام کے دشمن تھے۔ اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ ان کے اوباش نوجوان مسلمان خواتین کو چھیڑتے تھے۔ جب پوچھا جاتا تو کہتے کہ ہمیں پتہ نہ تھا۔ کہ مسلمان خاتون ہے۔ یہ جنگ کے دنوں میں جھوٹی افواہیں پھیلاتے تھے۔ اس سے مسلمانوں میں اضطراب پھیل جاتا تھا۔ حضور ﷺ نے درگزر سے کام لیا۔ اگرچہ صحابہ کرامؓ نے منافقین کے قتل کا مشورہ بھی دیا۔ لیکن آپ ﷺ ٹال جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی شرارتیں گوارہ نہ ہوئی۔ اور یہ حکم نازل کیا۔

"اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے۔ اور شہر میں جھوٹی افواہیں پھیلانے والے اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں۔ تو ہم آپ ﷺ ان پر مسلط کر دینگے۔ پھر وہ ٹھہر نہ سکے نگے۔ ہم ان کو مدینہ سے نکال دینگے۔ ان کا یہ حال ہوگا۔ کہ ان پر ہر طرف سے پھٹکار ہو گی۔ ہر طرف ان کی پکڑ دھکڑ ہو گی۔ اور ان کی موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ یہ دستور خداوندی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو لوگ منافقانہ طرز عمل، اذیت کوشی اور اضطراب و بے چینی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو ان کا یہی حشر ہوتا ہے۔ اور یہ گزشتہ ادوار میں بھی ہوا۔

سوال ۳: قرآن حکیم کی ان آیات میں قیامت کے متعلق کیا فرمایا گیا ہے؟

جواب: **ا) لوگوں کا استفسار:۔**

یہود، منافقین اور کفار آپ ﷺ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے تھے۔ کہ قیامت کب آئے گی۔ منافقین تو قیامت پر یقین نہیں رکھتے۔ ان کا مقصد استھزاء اور مذاق اڑانا تھا۔

۲) اللہ تعالیٰ کا جواب:۔

منافقین کے اس سوال پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیا کہ۔

" کہ ان سے کہہ دیجیے کہ قیامت کا علم صرف اللہ کو ہے۔ اور تمھیں کیا معلوم کہ شاید وہ بہت نزدیک ہو۔"

۳) کفار کا انجام:۔

اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ یہ یقینی بات ہے کہ قیامت اپنے وقت پر واقع ہوگی۔ جہاں کفار کے لیے جہنم کی آگ سزا کے طور پر ملے گی۔ اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ جہاں ان کا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا۔ قیامت ایک ایسا دن ہوگا۔ کہ جب ان کو آگ میں اوندھا ڈالا جائے گا۔ تو وہ یہ پکار اٹھیں گے۔ کہ اے کاش! ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات مان لیتے۔ افسوس تو یہ ہے۔ کہ ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی بات مان لی۔ جنھوں نے ہمیں سیدھے راستے سے بھٹکایا۔ اے اللہ ہمیں معاف کیجیے۔ اور ہمارے سرداروں کو دوگنا عذاب دیجئے۔ اور ان کو عظیم لعنت سے سرمشار کیجئے۔

الدرس السادس (ج)

آیات ۶۹ تا ۷۳

سوال ا: اس سبق کی آیات مس اہل ایمان کو حضرت موسیٰ کی مثال دے کر کیا بات سمجھائی گئی ہیں؟

جواب: حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اور ان کو فرعون اور آل فرعون سے نجات دلائی۔ لیکن ان سرکش قوم نے ہر جگہ آپ علیہ السلام کو اذیت پہنچائی۔ قارون اور کچھ مفسد لوگوں نے ایک عورت کو لالچ دے کر حضرت موسیٰ پر تہمت لگانے پر آمادہ کیا۔ حضرت موسیٰ پر اپنے بھائی ہارونؑ کو جنگل لے جا کر قتل کرنے کا بہتان بھی لگایا۔

حضرت موسیٰ پردے میں نہانے کی وجہ سے ان پر جسمانی عیب کا بہتان لگایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو بری قرار دیا۔ اور بنی اسرائیل کی قوم کی بات غلط ثابت ہوئی۔

اس سبق میں اہل ایمان کو یہ بات سمجھائی گئی۔ کہ تم بنی اسرائیل کی طرح اپنے پیغمبر کی شان میں گستاخی نہ کرو۔ انھیں وہ اذیت نہ پہنچاؤ۔ جو یہود نے حضرت موسیٰ کو پہنچائی۔ سبق کی آیات میں واضح کیا گیا کہ۔

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، صاف اور دوٹوک بات کرلیا کرو"

بنی اسرائیل جیسے غلط باتیں نہ کیا کرو۔ جس سے آپ کو تکلیف پہنچے۔ نبی اکرم ﷺ کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ اس کی بریت ہوجائے گی لیکن تمھاری عاقبت خراب ہوجائے گی۔ جیسے کہ یہود کی ہوئی بلکہ تمھارے لیے نجات کے سارے دروازے بند ہوجائیں گے۔

سوال ۲: **قولوا قولا سدیدا** کا مفہوم بتائے اور ہمارے لیے اس میں کیا رہنمائی ہے؟

جواب: سورۃ احزاب کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"یاایہاالذین آمنو اتقوالله وقولوا قولا سدیداً"

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور درست بات کہو۔ درست بات سے مراد صاف اور دوٹوک بات ہو۔ سیدھی اور سادھی بات ہو۔ مشکل اور غیر پیچیدہ نہ ہو۔

یہ ایک فطری امر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو بھی پسند ہے۔ کہ انسان درست بات کریں۔ یعنی سیدھی اور بے تکلف بات۔ جن میں کوئی الجھاؤ، کوئی ابہام اور طنز مذاق نہ ہو۔ جن کے دل صاف ہوتے ہیں۔ اور ان کے دلوں پر جو ہوتا ہے وہ ان کے منہ پر بھی ہوتا ہے۔ وہ منافقین کی طرح دورخے نہیں ہوتے۔ اور ایسی باتیں بھلی لگتی ہیں۔ اور ان کے اعمال بھی درست ہوتے ہیں۔

جو لوگ سیدھی اور صحیح باتیں کرتے ہیں۔ انھیں جھوٹ کا سہارا کبھی لینا نہیں پڑتا۔ قول سدید کے متعلق مفسرین نے مختلف معنیٰ لکھی۔ مثلاً انصاف کی بات حق تک پہنچانے والی بات، ایسی بات جس میں جھوٹ کا شبہ نہ ہو۔ عکرمہ نے کہا قول سدید لاالہ الا اللہ ہے۔

حضرت زینبؓ کے معاملے میں لوگوں نے قول سدید سے انحراف کیا۔ اس طرح حضرت عائشہؓ کے واقعہ افک میں غلط باتیں مشہور کی گئیں۔ حضورؐ نے فرمایا:

"سب سے افضل جہاد جابر حکمران کے سامنے حق کی بات کرنا۔"

اللہ کے اس حکم میں مسلمانوں کو یہ ہدایت بھی دی گئی کہ وہ گول مول جواب دینے سے احتراز کریں۔ منافقت سے کام نہ لیں۔ جو بات خدا کو پسند ہو اور جو بات دل میں ہو وہی بات کریں۔ ابہام اور پیچیدگی پیدا نہ کریں۔ اگر بات ظاہر کرنا مناسب نہ ہو تو جھوٹ سے پرہیز کریں۔

سورۃ الممتحنہ

۱) الفاظ معنیٰ۔

۲) سوال و جواب

۳) عبارات کے مفہوم۔

سورۃ الممتحنہ

تبصرہ:۔

یہ مدنی صورت ہے۔اس کے نازل ہونے کی ایک خاص وجہ یہ تھی۔کہ صلح حدیبیہ کے ٹوٹنے کے بعد مکہ پر لشکر کشی کی تیاریاں شروع کیں۔یہ راز خفیہ تھا۔صرف چند صحابہ کو پتہ تھا۔مکہ معظّمہ کی ایک سارہ نامی عورت جو غلامی سے نجات حاصل کرنے کے بعد گانے بجانے کا کام کرتی تھی۔حضورﷺ سے تنگدستی کی شکایت لے آئی۔آپﷺ نے حاجت پوری کی۔واپس مکہ جاتے وقت ایک صحابی حاطب بن ابی بلتعہ نے اسے ایک خط دیا۔کہ کفار مکہ کو لشکر کشی کی اطلاع دی جائے۔کہ حضورﷺ حملہ کرنے والے ہیں۔آپﷺ کو حضرت جبرائیل نے خبر دی تو آپﷺ نے عورت کے پیچھے چند صحابہؓ بھیجے۔اور عورت کو گرفتار کرلیا۔دھمکی دینے پر تلاشی لی گئی۔تو اس کے بالوں کے جوڑے سے خط برآمد ہوا۔خاطب سے جب پوچھا گیا۔تو اس نے کہا کہ میں کافر نہیں ہوں۔حضورﷺ میرے اہل و عیال مکہ معظّمہ میں بے کس ہیں۔وہاں میرے کوئی عزیز واقارب نہیں کہ ان کی دکھ بال کریں۔میں نے کفار مکہ پر احسان کرنا چاہا۔کہ وہ اس کے بدلے میرے بچوں کی حفاظت کریں۔اور میرا ایمان ہے۔کہ کفار کا انجام برا ہوگا۔ان پر اللہ تعالیٰ کی عذاب آئے گی۔حضرت عمر فاروقؓ اس کا سر اڑانا چاہتے تھے۔مگر حضورﷺ نے اسے بدری ہونے کی وجہ سے معاف کیا۔اس پر یہ صورت نازل ہوئی۔

اور آیات کریمہ میں منافقیں اور کفار سے دوستی سے منع کیا۔سورۃ میں حضرت ابراھیمؑ کی مثال دی گئی۔اور اس مثال کی پیروی کا حکم دیا گیا۔جن کفار نے دین اسلام کی مخلف نہیں کی۔ان سے رواداری کا حکم دیا گیا۔مومنات کا کفار سے اور کافرات کا مومنین سے نکاح حرام دیا گیا۔اور خواتین سے بیعت لینے کے لیے چند اہم باتوں کا ذکر ہوا ہے۔

Tehkals.com Learn & Teach

الدرس السابع (الف)

آیات ۱تا۶

سوال ۱: قرآن حکیم کی ان آیات میں اہل ایمان کا اسلام دشمن کافروں کے ساتھ کیا رویہ ہونا چاہیے؟

جواب:۔ اس آیات کے نازل ہونے کی وجہ یہ تھی۔کہ ایک صحابی حاطب بن ابی بلتعہ نے ایک غیر مسلم خاتون کے ہاتھ قریش مکہ کو خط بھیجا۔اور فتح مکہ کے متعلق اطلاع دی۔اور حضورﷺ کے مکہ پر حملہ کی خبر دی۔حضرت جبرائیلؑ نے آپ کو خبر دی۔حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت مقدادؓ اس عورت کے پیچھے پیچھے گئے۔اور باغ خاخ سے عورت کی گرفتاری کی گئی۔دھمکی پر اس کے بالوں کے جوڑوے سے خط برآمد ہوا۔خاطب سے جب پوچھا گیا۔تو اس نے کہا کہ حضورﷺ! میں کافر نہیں ہوں۔میرے اہل و عیال مکہ میں ہیں۔وہاں میرا کوئی عزیز واقارب نہیں۔وہ بے یار و مددگار ہیں۔کہ ان کا خیال رکھے۔اس لیے میں نے قریش مکہ پر احسان کرنا چاہا۔کہ وہ میرے اہل و عیال کا خیال رکھیں گے۔اور میرا ایمان ہے۔کہ کفار کا انجام برا ہوگا۔ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا۔خاطب کو بدری ہونے کی وجہ سے معاف کیا گیا۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کی۔کہ کافروں کے ساتھ کیسا رویہ ہونا چاہیے۔

۱) **کافروں کے ساتھ دوستی نہ کرو:۔**

قرآن کریم نے فرمایا کہ کفار سے دوستی نہ کرو۔کیونکہ یہ اللہ اور تمھارے دشمن ہیں۔مسلمانوں! تم ایمان لائے۔اپنے محبوب پیغمبر کے ساتھ تکالیف برداشت کیں۔اللہ کے راستے میں ہجرت و جہاد کیا۔اس لیے کافروں کو دلی دوست مت بناؤ۔کیونکہ وہ اسلام واللہ کے منکر ہیں۔

۲) **کفار کو خفیہ پیغام نہ بھیجو:۔**

فرمایا گیا ہیں کہ کفار کو خفیہ پیغام نہ بھیجو۔اپنے ماں، باپ، بہن، بھائیوں اور بیوی وغیرہ کی خاطر کفار کے ساتھ دوستانہ رابطہ نہ رکھو۔کوئی پیغام رسانی نہ کرو۔جیسا حضرت خاطب نے کیا۔

۳) **کفار کو دشمن سمجھو:۔**

کفار مکہ نے دین اسلام کو جھٹلایا۔وہ خدا کے دشمن ہیں۔اور تمھارے نبیﷺ کے دشمن ہیں۔اس لیے کفار کے ساتھ ایسا رویہ رکھو جیسے ایک دشمن کے ساتھ ہونا چاہیے۔

سوال ۲: اس سبق میں دشمنان حق کی کن باتوں کے سبب انھیں دوست اور راز دان بنانے سے منع کیا؟

جواب: حضرت خاطب بن ابی بلتعہؓ نے کفار مکہ کو خط بھیج کر مکہ پر حملہ کرنے کی اطلاع دینی چاہی۔تاکہ وہ اس کے بدلے اس کے اہل و عیال کی خبر گیری کریں۔جو مکہ میں بے یار و مددگار تھے۔اگرچہ صحابی کو نیک نیتی اور بدری ہونے کی وجہ سے معاف کیا گیا۔لیکن اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع کیا۔تاکہ وہ کفار کے ساتھ دوستی اور راز داری نہ کریں۔

۱) **انکارِ دین:۔**

کافروں کے ساتھ دوستی اور رازداری نہ کرنے کی پہلی وجہ یہ ہے۔کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور تمھارے دین کے دشمن ہیں۔قرآنی آیات کا مذاق اڑاتے ہیں۔لہٰذا تمہارے اور ان کے راستے الگ الگ ہیں۔وہ تمھارے دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں۔

۲) **رسول کریم ﷺ اور مسلمانوں کی ہجرت اور جلاوطنی:۔**

دوسری وجہ یہ ہے۔کہ یہ وہی کافر ہیں۔جنھوں نے تمھیں مکہ سے نکالا۔اور تمھیں تکالیف دیئے۔اس وجہ سے کہ تم نے اسلام قبول کیا اور اس اذیتوں کی وجہ سے تم اپنے وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔لہٰذا تم انھیں دوست اور رازدان مت بناؤ۔کیونکہ انھوں نے آپ ﷺ کے قتل کے منصوبہ بھی بنایا تھا۔

اس آیات میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔کہ تم میری راہ میں لڑنے کے لیے میری رضا تلاش کرنے کے لیے نکلے ہو۔تو تم انکو دوستی کے پیغام کیوں بھیجتے ہو۔کیا تمھاری کھلی چھپی باتیں اللہ کو معلوم نہیں؟ کیوں ایسا کر کے گمراہ ہونا چاہتے ہو۔اگر یہ حکم خاص موقع پر نازل ہوئی۔لیکن یہ حکم عام ہیں اور مسلمانوں کو ہر زمانے میں ایسا ہی کرنا چاہیے۔

سوال ۳: جب اہلِ کفر مسلمانوں پر غلبہ پاتے ہیں۔تو ان کا اہلِ ایمان کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے؟

جواب: حضرت خاطب بن ابی بلتعہؓ خط بھیج کر کافروں سے دوستی کی امید رکھتے تھے۔اور خفیہ پیغام پہنچاتے تھے۔کہ اگر کوئی کافر غالب آ گئے۔تو وہ اس دوستی کی وجہ سے ان سے رعایت کریں گے۔اس لیے قرآن میں فرمایا گیا ہے۔

"ان یثقفوکم یکونوا اعدآء ویبسطوا الیکم ایدیھم والسنتھم باالسوء ودو لو تکفرون"

ترجمہ:

یعنی اگر وہ تمھیں پائیں۔تو وہ تمہارے دشمن ہو جائے۔اور تم پر اپنے ہاتھ اور زبان برائی کے ساتھ کھولیں گے۔اور وہ چاہتے ہیں۔کہ کاش تم کافر ہو جاؤ۔

اگر کفار تم پر غالب آجائے تو آیات کے حوالے سے درج ذیل صورتیں ہوں گی۔

۱) **عداوت کا مظاہرہ:۔**

کفار بڑے سنگدل ہیں۔وہ مسلمانوں اور دینِ اسلام کے دشمن ہیں۔اگر وہ غالب ہوں گے۔تو تمھاری طرف ظلم و ستم کریں گے۔دست درازی اور زبان درازی کریں گے۔دست درازی سے مراد بے دریغ قتل و غارت کریں گے۔زبان درازی سے مراد اپنے زبانوں کی تیزی سے غلیظ گالیوں اور الزامات سے تمھیں ریزہ ریزہ کر دیں گے۔

۲) **کافر بنانے کی کوشش:۔**

کفار کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف دشمنی اور حسد ہے۔اور تمھارے اسلام کو لوٹنے کی فکر میں ہیں۔وہ چاہتے ہیں کہ وہ تمھیں بھی کافر بنائے۔وہ تمھارے دین تمھارے جان و مال کے دشمن ہیں۔اس لیے اس خوش فہمی میں مبتلا نہ ہو۔

۳) **یہ حکم عام ہے:۔**

اگر یہ حکم خاص موقع پر نازل ہوئی۔لیکن یہ حکم اب بھی عام ہیں۔اور ہر زمانے میں دشمنانِ اسلام پر اس کا اطلاق ہوگا۔

سوال ۴: ان آیات میں حضرت ابراھیمؑ کے کس اسوہ حسنہ کی پیروی کا حکم ہے؟

جواب: ۱) **مثالِ ابراھیمؑ:۔**

اس سبق میں حضرت ابراھیمؑ کی مثال دی جا رہی ہے۔اور فرمایا گیا ہے۔

" لقد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم"

ترجمہ:

بے شک تمھارے لیے ابراھیمؑ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

حضرت خاطب بن ابی بلتعہؓ نے گھر والوں کی خاطر قریش مکہ کو خفیہ پیغام بھیجا۔اور ان سے دوستی کرنا چاہی۔اسی حوالے سے اللہ نے فرمایا کہ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ کافروں سے قطع تعلق کی خاطر آپ علیہ السلام کی اسوہ حسنہ کو اپنائیں۔مثلاً

۲) **اپنی قوم سے بیزاری کا اعلان:۔**

حضرت ابراھیمؑ نے اپنے رب کی رضامندی کی خاطر اپنی قوم کے سامنے اعلان کیا۔کہ میں تم سے اور تمھارے ان معبودوں سے بیزار ہوں۔جو تم نے اللہ کو چھوڑ کر اپنی بندگی کے لیے بنا رکھے ہیں۔اب ہمارا اور تمھارا کوئی تعلق نہیں۔کوئی دوستی کوئی رشتہ داری نہیں۔ہم تمھارے اور تمھارے معبودوں کے منکر ہیں۔اب ہمارے اور تمھارے درمیان کھلی دشمنی ہیں۔

۳) **قابلِ تقلید اسوہ:۔**

قرآن حکیم نے بتایا۔کہ جس طرح حضرت ابراھیمؑ اور ان کے ساتھیوں نے اپنے دین کی خاطر تمام رشتے اور دوستیاں توڑ دی تھی۔اس طرح اے مسلمانو! تم بھی اپنے کافر رشتہ داروں یا وہ عزیز و اقارب جو دینِ اسلام کے اصل کے پابند نہ ہو۔ان سے رشتے و دوستیاں ختم کر دو۔ابراھیمؑ نے جو کچھ بھی کیا۔اگر تم اللہ اور آخرت کے امیدوار ہو۔تو تم بھی اسی اسوہ کو اپناؤ۔اور

جور وگردانی کرے گا۔ تو اللہ بے نیاز ہے۔ اور ہر تعریف کے لائق ہے۔ اور تمھارا ٹھکانہ جہنم ہے۔

الدرس السابع (ب)
آیات ۷ تا ۱۳

سوال ۱: ان آیات کی روشنی میں بتائیے۔ اللہ تعالیٰ نے کس طرح کفار کے ساتھ عدل واحسان کی اجازت دی ہیں؟

جواب: **۱) کفار:۔**

کفار سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو اللہ کی واحدانیت اور رسول کریم ﷺ کی رسالت کے منکر تھے۔ مکہ میں مشرکین کافی تعداد میں تھے۔ جس میں کچھ تشدد پسند تھے۔ جنھوں نے اسلام کو روکنے کی بہت کوشش کی۔ اور مسلمانوں کو سخت تکالیف پہنچائی۔ اس میں کچھ کفار بے ضرر تھے۔ جنھوں نے تشدد کا راستہ اختیار نہیں کیا۔ اس طرح کفار کے دو گروہ ہوئے۔

۲) **شدت پسند کافر:**

یہ گروہ مکہ قریش کے سرداروں اور ان کے ساتھیوں پر مشتمل تھا۔ یہ اسلام کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ کو جھوٹے نام دیئے۔ اور آپ ﷺ اور مسلمانوں کو اتنی اذیت دی وہ مکہ سے ہجرت پر مجبور ہوگئے۔ اور مسلمانوں کی ہجرت کے بعد بھی سازشوں سے باز نہ آئے۔

۳) **بے ضرر کافر:۔**

یہ کفار مسلمانوں پر تشدد کے قائل نہ تھے۔ اور نہ ہی مسلمانوں سے زیادتی میں کسی دوسرے کی مدد کی۔ بلکہ صلح رحمی کا خیال رکھا۔ جزیرۃ العرب کے اور علاقوں میں بھی ایسے لوگ تھے۔ جو مسلمان نہ ہوئے لیکن انھوں نے مسلمانوں سے دشمنی بھی نہیں کی۔ نہ مسلمانوں کی ستایا۔ نہ ان کو گھروں سے نکالا۔ اور نہ مسلمانوں کے خلاف لڑے اور نہ ہی مسلمانوں کے خلاف کسی دوسرے کی مدد کی۔ تو ایسے کفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ سورۃ ممتحنہ میں فرماتا ہے۔

۴) **فرمان خداوندی:۔**

ترجمہ:۔

تحقیق اللہ تمھیں ان کفار سے منع نہیں کرتا۔ کہ تم ان سے دوستی کرو۔ اور ان سے انصاف کرو۔ جو تم سے تمھارے دین کے بارے میں نہیں لڑے۔ اور نہ انھوں نے تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا۔ یعنی

الف) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ تشدد پسند کفار کے ساتھ دوستی نہ کرو۔ اور ان سے انصاف کرو۔ جو تم سے تمھارے دین کے بارے میں نہیں لڑے۔ اور نہ انھوں نے تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا۔

ب) بے ضرر کافروں کے ساتھ اللہ نے مسلمانوں کو نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں فرمایا۔

سوال ۲: اللہ تعالیٰ نے ہجرت کر کے آنے والی مؤمن عورتوں کے بارے میں اہل ایمان کو کیا تلقین فرمائی؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ہجرت کر کے آنے والی مؤمن عورتوں کے بارے میں اہل ایمان کو تلقین فرمایا کہ کچھ ایسی مؤمن خواتین جو ہجرت کر کے مدینہ آرہی تھی۔ ان کے شوہر کافر تھے۔ یہ شروع ہی سے ایمان لائی تھی۔ مگر کسی مجبوری کی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکیں تھیں۔ یہ مؤمن خواتین ہجرت کر کے آرہی تھی۔ اب یہ اپنا دین ایمان بچانے کے لیے بھاگ آئی تھی۔ عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی ام کلثوم، حارث کی بیٹی سبیعہ، اور بشیر کی بیٹی امیمہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں۔ یہ سلسلہ چل نکلا۔ کہ انھیں واپس لانے کے لیے ان کے لواحقین بھی پہنچنے لگے۔

۱) **جانچ پڑتال:۔**

اس مسئلے پر قرآن مجید نے فرمایا۔

"اے ایمان والو! جب تمھارے پاس مؤمن عورتیں ہجرت کر کے آئی۔ تو ان کا امتحان کر لیا کرو۔ اگر معلوم ہو جائے۔ کہ وہ واقعی مؤمن ہیں۔ تو انھیں کافروں کے پاس مت لوٹاؤ۔"

۲) **فائدہ:۔**

جانچ پڑتال کا یہ فائدہ ہوا۔ کہ ہر بھاگی ہوئی عورت کی جانچ ہوئی۔ جس سے بظاہر مسلمان اور باطن سے کافر عورت کا پتہ چل سکا۔ اور ایسی عورتیں مسلمانوں کی صف میں شامل نہ ہو سکی۔

۳) **جانچ پڑتال کا طریقہ:۔**

احادیث میں اس جانچ کا طریقہ مذکور ہیں۔ کہ مدینہ میں ہر آنے والی عورت سے قسم لیتے۔ کہ وہ اپنے خاندان کو بغض وعداوت کی وجہ سے نہیں چھوڑ آئی۔ اور نہ پرانی جگہ سے تنگ آ کر نئی جگہ آئی۔ وہ صرف اپنے رسول ﷺ کی محبت کے باعث اپنا وطن چھوڑ کر آئی۔ اس طرح پتہ چل جاتا۔

۴) **مؤمن عورتیں کافر شوہر پر حرام ھیں:**

اس طرح مؤمن عورتیں کافر شوہر پر حرام ہو جاتیں۔ ان کے شوہر کو بیت المال سے مہر واپس کر دیا جاتا۔ اور جو مسلمان عورتیں کافر رہ گئی۔ تو مسلمان اسے چھوڑ دے گا۔ اور جب

وہ کافر سے نکاح کریں۔ تو اس کا کافر شوہر مسلمان کا خرچ کیا ہوا مال واپس کرے گا۔ کیونکہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔

ترجمہ:۔ مؤمن عورتیں کافر مرد کے لیے حلال نہیں۔ اور نہ کافر عورتیں مؤمن مرد کے لیے حلال ہے۔

سوال۳: نبی اکرم ﷺ کو مؤمن عورتوں سے کن باتوں پر بیعت لینے کے لیے کہا گیا ہے؟

جواب: جب مکہ فتح ہوا۔ تو اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ اور مرد کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی بیعت کے لیے حاضر ہوئیں۔ حضور ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ کو عورتوں کی بیعت کا کام سونپ دیا۔

آپ ﷺ نے خود بھی کئی بار عورتیں سے بیعت لی۔ لیکن کسی عورت کے ساتھ بیعت لیتے وقت مصافحہ نہیں کیا۔ کبھی زبانی وعدہ لیا۔ تو کبھی پانی سے بھرے ہوئے پیالہ میں اپنا ہاتھ مبارک ڈالتے اور پھر اس میں بیعت کرنے والی عورتوں کا ہاتھ ڈالنے کا حکم دیتے۔ کبھی کپڑا ہاتھ مبارک میں لے کر عورتوں سے بیعت لی گئی۔

قرآن کریم میں عورتوں سے بیعت لینے کے بارے میں یوں فرمایا ہے۔

ترجمہ: اے نبی ﷺ جب آپ ﷺ کے پاس مؤمن عورتیں ہجرت کر کے آئے تو ان کا امتحان لیا کرو۔

آیات کی رو سے ان عورتوں سے درج ذیل باتوں میں بیعت لیں۔

۱) وہ اللہ کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک نہیں کریں گے۔

۲) وہ چوری نہیں کریں گے۔

۳) وہ بدکاری نہیں کریں گے۔ یعنی زنا نہیں کریں گے۔

۴) وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ زمانہ جاہلیت کی طرح عربوں میں لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیا جاتا۔ اور کچھ لوگ غربت و افلاس کی وجہ سے تنگ آ کر اپنی اولاد کو مارتے۔

۵) اولاد کو ان کے والد کے علاوہ کسی اور سے جھوٹ بول کر منسوب نہیں کریں گی۔

۶) اور آخری بیعت یہ تھی۔ کہ وہ ہر نیکی کا جس کا حضور ﷺ حکم دیں۔ وہ اس کی نافرمانی نہیں کریں گی۔

اگر ان سب باتوں کا معاہدہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو فرمایا کہ ان سے بیعت لے لیں۔ ان کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا مانگے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

ilmkidunya.com Learn & Teach

دوسرا حصہ:

مِن ھدی الحدیث

(حدیث سے مراد حضورﷺ کا قول، عمل اور قرار ہے)

۱) مَن احب للہ وابغض للہ واعطیٰ للہ فقد استکمل الایمان۔

ترجمہ:

جس نے اللہ کے لیے محبت کی۔ اور اللہ کے لیے بغض رکھا۔ اور اللہ کی رضا کے لیے عطا کیا۔ اور اللہ کے لیے روکا۔ تو اس نے ایمان مکمل کر لیا۔

تشریح:

اس حدیث شریف میں رضائے الٰہی کا مکمل نقشہ پیش کیا گیا ہے اور تکمیل ایمان کے چار بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں اس اصول کو اپنانے سے انسان کی ذاتی پسند، ناپسند ختم ہو جاتی ہے۔ اور وہ کچھ بھی کرتا ہے۔ محض اللہ کے لیے کرتا ہے۔ اور صرف عظیم الشان رب کریم کی ذات میں محور ہو جاتا ہے۔ اور یہی اعمال کی خوبصورتی ہے۔ حدیث شریف میں مکمل ایمان کے چار اصول مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) **الحب للہ:۔**

یعنی اللہ کے لیے کسی سے محبت کرنا۔

۲) **البغض للہ:۔**

یعنی اللہ کے لیے کسی سے بغض رکھنا۔

۳) **الاعطاءللہ:۔**

یعنی اللہ کے لیے کسی کو عطا کرنا۔

۴) **المنع للہ:۔**

یعنی اللہ کے لیے کسی کو عطا کرنے سے منع کرنا۔

الحب للہ:۔

حدیث شریف کا پہلا اصول تکمیل ایمان کا یہ ہے۔ کہ اللہ کے لیے کسی سے محبت کرنا۔ اللہ اپنے بندوں سے اتنی محبت کرتا ہے۔ جو کوئی نہیں کر سکتا۔ اس لیے بندے کا بھی فرض بنتا ہے۔ کہ وہ اللہ سے محبت رکھتے ہوئے اس کے پسندیدہ بندوں سے محبت کریں۔

حضورﷺ نے فرمایا۔ "جو کوئی اللہ کے دین کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو۔ ان کے چہرے نورانی ہوں گے۔"۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ ایسے لوگوں سے محبت کریں۔ جو اللہ کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرتا رہے۔ یعنی اللہ کے پسندیدہ لوگوں سے محبت رکھی جائے۔

البغض للہ:۔

تکمیل ایمان کا دوسرا اصول یہ ہے۔ کہ مؤمن کا بغض صرف اللہ کی رضا کے لیے ہوگا۔ مطلب یہ کہ اللہ کے ناپسندیدہ لوگوں سے بغض رکھے۔ ظالموں، کافروں، کمزور کو ستانے والوں، فاسقوں، منافقوں اور دین کا مذاق اُڑانے والوں سے اللہ کی رضا کے لیے بغض رکھنا مکمل ایمان حاصل کرنے کا دوسرا اصول ہے۔ اس کے ساتھ ایسے لوگوں سے دور رہا جائے۔

الاعطاءللہ:۔

یعنی اللہ کی رضا کے لیے کسی کو عطا کرنا تکمیل ایمان کا تیسرا اصول ہے۔ کہ کوئی شخص اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ مقصد صرف اللہ کی رضا ہو۔ کوئی ریاکاری یا دکھلاوا نہ ہو۔

المنع للہ:۔

اللہ کی رضا کے لیے کسی کو روکنا تکمیل ایمان کا چوتھا اصول ہے۔ یعنی کسی شخص کو برائی سے روکنا تکمیل دین کا باعث ہے۔

درج بالا حدیث سے ثابت ہوا۔ اگر ہم نے ان چاروں اصولوں پر عمل کر لیا تو ہم اپنے ایمان کو خوبصورت اور کامل بنا سکتے ہیں۔

۲) **من نصر قومه علیٰ غیر الحق فھو کا البعیر ردیٰ فھو ینزع بزنبه۔**

ترجمہ:۔

جس نے کسی ناجائز معاملے میں اپنی قوم کی مدد کی۔ تو اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے ایک اونٹ کنویں میں گر رہا ہو۔ اور وہ اس کی دم پکڑ کر لٹک جائے۔ تو وہ خود بھی اس میں جا گرے۔

تشریح:۔

حضور کریم ﷺ نے اس حدیث میں اس شخص کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو اپنی قوم کی ناجائز کام میں مدد کر رہا ہو۔ کہ وہ شخص تباہی کی طرف اس طرح بڑھ رہا ہے۔ ایک آدمی کو یہ سوچنا چاہیے۔ کہ وہ جس قوم کی مدد کر رہا ہے۔ تو سیدھے راستے پر ہے یا غلط؟ اگر اس کی قوم غلط راستے پر ہے تو آدمی کو اس کی مدد نہیں کرنی چاہیے۔ اس وجہ سے تو معاشرہ بگڑ جاتا ہے۔ اور اسلامی اخوت پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم قومی، نسلی، لسانی اور علاقائی تعریفوں سے بالاتر رہے۔ اور سچ کا ساتھ دی۔ ورنہ مثال اس اونٹ والے کی طرح ہوگی۔

اسلام دین عدل:۔

اسلام خوبصورت اور عادلانہ دین ہے۔ اور ہر شعبے میں عدل وانصاف پر چلنے کی تاکید دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا۔

تعاونوا علیٰ البر والتقویٰ

ترجمہ:۔ ایک دوسرے کا ساتھ بھلائی اور پرہیز گاری سے تعاون کیا کریں۔ یعنی جائز کام موٗمن ان کی مدد کرو۔ اس کے بعد اللہ فرماتا ہے۔

ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان:۔

ترجمہ:۔ گناہ اور ظلم میں ان کا ساتھ نہ دو۔

عصبیت اور قوم پرستی:۔

حدیث کے مطابق جس شخص نے عصبیت سے کام لیتے ہوئے ناجائز کام میں اپنی قوم کی مدد کی تو اس کی مثال اس اونٹ والے کی طرح ہے۔ جو کنویں میں گر رہا ہو۔ اور کوئی اس کو بچانے کے لیے اسے دم سے کھینچتے ہوئے خود بھی اس کے ساتھ کنویں میں گر جائے۔

۳) **الصلوٰۃ عماد الدین ومن اقامھا فقد اقام الدین ومن ھدمھا فقد ھدم الدین.**

ترجمہ:۔

نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے اسے قائم کیا۔ اس نے گویا دین کو قائم کیا۔ اور جس نے اسے ڈھایا۔ اس نے گویا دین کو ڈھایا۔

تشریح:۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ نماز دین کا ستون ہے۔ اسلام کی عمارت اس پر قائم ہے۔ اس عمارت کے اور بھی چار ستون ہیں۔ لیکن سب سے اہم ستون نماز ہے۔ یہ تمام عبادات کی اصل اور اسلامی تہذیب کی بنیاد ہے۔ روزانہ پانچ مرتبہ اللہ کے سامنے عاجزی، انکساری، مناجات اور دعا کی بہترین شکل ہے۔ اس میں یہ احساس ہوتا ہے۔ کہ میں اس کے سامنے کھڑا ہوں۔ اس کے سامنے ماتھا رگڑ رہا ہوں۔ جھل رہا ہوں۔ اسے دیکھ رہا ہوں۔ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ قیامت میں سب سے پہلے اسی کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اس لیے حدیث میں اس کی اہمیت واضح کی گئی ہیں۔ کہ نماز کو قائم رکھا جائے۔ کیونکہ اس سے اسلام کی عمارت کھڑی ہے۔ اور یہ نہ ہو تو عمارت گر جائے گی۔ اللہ اور انسان کے درمیان تعلق اور واسطہ ہی ختم ہو جائے گا۔ اقامت صلوٰۃ سے مراد باقاعدگی سے مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ہے۔

نماز دین کا مرکزی ستون ھے:۔

اسلام کی عمارت پانچ ارکان یعنی پانچ ستونوں پر کھڑی ہیں۔ اقرار توحید ورسالت، نماز، روزہ، زکواۃ اور حج۔ ان میں مرکزی ستون نماز ہے۔ اگر یہ ستون گر جائے تو دوسرے ستون اور اس کے ساتھ منسلک دیواریں بھی ختم ہو جائے گی۔ اور اس کی افادیت برقرار نہیں رہ سکے گی۔

نماز کی اھمیت:۔

قرآن کے تمام صفحات نماز کے ذکر سے بھری پڑی ہیں۔ اقرار توحید ورسالت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ ان میں مرکزی ستون نماز ہے۔ اگر یہ ستون گر جائے تو دوسرے ستون اور ساتھ منسلک دیواریں بھی ختم ہو جائے گی۔ اور اس کی افادیت برقرار نہیں رہ سکے گی۔

نماز کی اھمیت:۔

قرآن کے تمام صفحات نماز کے ذکر سے بھری پڑی ہے۔ فرمایا گیا ہے۔ **حافظوا علیٰ الصلوٰۃ**۔ ترجمہ: اپنی نمازوں کی حفاظت کرو۔ ایک دوسری جگہ فرمایا۔ **اقم الصلوٰۃ لذکریٰ**۔ ترجمہ: میری یاد کے لیے نماز پڑھ لیا کرو۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ **من ترک الصلوٰۃ متعمد افقد کفر**۔ ترجمہ: جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کیا۔ اس نے یقیناً کفر کا کام کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

اقامت صلوٰۃ:۔

اقامت کا مطلب یہ ہے۔کہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جائے۔اپنی تمام خوبصورتی یعنی خضوع وخشوع سے پڑھی جائے۔اس میں اتنا حسن ہو کہ نمازی محسوس کرے۔کہ وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔یا پھر اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔تمام ارکان صحیح ادا ہوں۔تیزی نہ دکھائی جائے۔اطمینان سے پڑھی جائے۔

نماز کی اقامت اقامت دین کا ایک حصہ ھے:۔

دین کی ساری سج دھج اور خوبصورتی نماز کی وجہ سے ہے۔نماز نہ ہے۔تو دین کیسے قائم رہے گا۔احسان بندگی کیسے پیدا ہوگا۔پاکیزگی اور طہارت کا مظاہرہ کیسے ہوگا۔اللہ کے ساتھ راز و نیاز اور مناجات کی محفل کیسے جمے گی۔ملت میں نظم وضبط،اطاعت امیر،اخوت کے جذبات کس طرح پیدا ہوں گے۔انتہائی عاجزی کا اظہار کیسے ہوگا۔جب اس کے سامنے ماتھا نہیں رگڑا جائے گا۔اور وسیع المثانی کے ایمان افروز جملے ادا نہ ہونگے۔تو ایمان کیسے قائم ہوگا؟۔

اس لیے تو کہا گیا کہ جس نے نماز قائم کیا۔اس نے دین کو قائم کیا۔اور جس نے نماز کو گرایا۔اس نے دین کو گرایا۔

۴) **اذا قلت لصاحبک یوم الجمعۃ انصت و الا ما م یخطب فقد لغوت.**

ترجمہ:۔

جس نے جمعہ کے دن اپنے ساتھی سے کہا۔"خاموش ہو جاؤ" جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو۔تو تم نے فضول بات کی۔

تشریح:۔

درج بالا حدیث میں نماز جمعہ کے خطبے کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔کہ جب امام خطبہ دے رہا ہو۔تو پوری خاموشی سے سنا جائے۔کیونکہ خطیب وقت ومحل کی مناسبت سے اہم بات کر رہا ہے۔علم کی روشنی بکھیر رہا ہے۔اس میں معمولی سا رخنہ نہیں پڑنا چاہیے۔اس میں پوری توجہ کی ضرورت ہے۔تاکہ اہم ہدایات،علمی افکار جو خطیب دے رہا ہے۔وہ یکسوئی سے سنے جائے۔کسی کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ کسی کو کہا جائے۔"خاموش ہو جاؤ"اس سے بھی توجہ ہٹ جاتی ہے۔خطباء کے لیے بھی ضروری ہے۔کہ اہم باتیں وقت کی مناسبت سے کریں۔تاکہ لوگ مستفید ہو۔ملت ترقی کریں۔تفرقہ بازی نہ پھیلے۔

حدیث شریف میں نماز جمعہ کا خطبہ سننے کے آداب بیان کیے گئے ہیں۔یہ نماز ہفتے میں ایک دن ایک بڑے اجتماع کے ساتھ اہتمام کے ساتھ ادا کرنے کا حکم ہے۔جس میں ایک بڑی جامع مسجد میں حاکم وقت خطبہ پیش کرتا ہے۔اور اس میں اس وقت کی مناسبت سے حالات حاضرہ کے حوالے سے مسلمانوں کے متعلق درپیش مسائل سے ملت کے استحکام کے حوالے سے اور دین کے اہم امور سے اہم باتیں کی جاتی ہیں۔اور اس مقصد کی خاطر جب امام خطبہ کے لیے کھڑا ہو۔تو اس وقت سے لے کر آخر تک دوران خطبہ نماز پڑھنا،ذکر اذکار کرنا،باتیں کرنا،سلام کرنا،سلام کا جواب دینا،کھانا پینا،اگلی صفوں تک لوگوں کے سروں اور گردنوں کا پھلانگ کر جانا یا لوگوں کی توجہ ہٹانے کوئی حرکت کرنا سخت ممنوع ہے۔امام کی آواز آپ کو سنائی نہیں دے رہی۔پھر بھی آپ کو خاموش رہنا چاہیے۔آپ ہاتھ یا سر کے اشارے سے غلط حرکت کرنے والے کو منع کر سکتے ہیں۔خاموش کرا سکتے ہیں۔زبان سے نہیں۔کوشش کی جائے کہ خطبہ نہایت خاموشی،توجہ،یکسوئی،آمادگی اور قبولیت کے جذبے سے سنا جائے۔فقہ اسلامی کے تمام مکاتب فکر جلیل قدر رہنما ائمہ یہی فتویٰ دیا جائے۔

فضیلت:۔

جمعہ کا اجتماع کا مفہوم ہے۔یہ دن "ایام کا سردار" کہلاتا ہے۔

۵) **من تخطیٰ رقاب الناس یوم الجمعۃ اتخذ جسرا الیٰ جھنم:۔**

ترجمہ:

جو شخص جمعہ کے دن لوگوں کی گردنوں پر پھلانگ کر گیا۔اس نے جہنم کی طرف پل بنایا۔

تشریح:۔

اس حدیث میں آداب جمعہ،آداب مجلس،احترام انسانیت،تہذیب وسلیقہ اور نظم وضبط کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔اور انہی آداب کے ذریعے عام زندگی کا وطیرہ متعین کیا گیا ہے۔کہ تمام مجالس میں اس کا لحاظ رکھنا چاہیے۔یہ ایک زندہ خوبصورت اور مئودب ملت کے آداب ہیں۔کہا گیا ہے۔کہ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کی گردنوں کی پھلانگ کر آگے نہ جائے۔یہ آداب مجلس کے خلاف ہیں۔یہ احترام انسان کے بھی خلاف ہیں۔شائستگی یہ ہے۔کہ جہاں جگہ ملیں وہی بیٹھ جائیں۔بعض لوگ زور،دھکم پیل سے صفوں میں جانے کی کوشش کرتے ہیں۔یہ صحیح نہیں۔جمعہ کی نماز میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔کہ یہ اہم دینی اجتماع ہوتا ہے۔یاد رہے کہ دھکم پیل کی وجہ سے کبھی لوگ مر بھی جاتے ہیں۔حدیث مبارکہ میں نماز جمعہ کے مکمل احترام کے حوالے سے تہذیب،شائستگی اور نظم وضبط اور احترام انسانیت کی بات کی گئی۔

نماز جمعہ کے حوالے سے اہم امور:۔

حدیث کریمہ میں بتایا گیا ہے۔کہ جمعہ کے دن پاک صاف ہو کر خوشبو لگا کر اول وقت میں جامع مسجد پہنچ جائے۔یہ ایسا ہوا۔کہ گویا اس نے اونٹ کی قربانی دی۔ذرا دیر سے آیا۔

تو گویا گائے کی قربانی دی۔ کچھ اور دیر سے آیا تو گویا مینڈھے کی قربانی دی۔ خطبہ سے کچھ پہلے پہنچا تو گویا اللہ کی راہ میں اس نے کسی کو انڈا بخشا۔ لیکن جب خطیب خطبہ پڑھنے منبر پر آیا۔ تو پھر ہر آنے والے کو چاہیے۔ کہ آخری قطاروں میں بیٹھے۔ بیٹھے ہوئے لوگوں کے سروں اور گردنوں کو پھلانگ کر جانے کی کوشش جہنم کی آگ تک پل بنانے کی کوشش میں شمار ہوگی۔ کیونکہ یہ شخص۔

۱) سامعین کی توجہ ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے۔

۲) آداب مجلس کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔

۳) انسانیت کے احترام کا لحاظ نہیں کرتا۔

۴) غیر شائستگی اور بدتہذیبی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

۵) ملت اسلامیہ کے نظم وضبط کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔

اس کے مقابلے میں وہ شخص جو وقت پر آئے۔ خالی جگہ بیٹھ جائے سنت نماز پڑھے۔ پھر خطبہ خاموشی سے سنے۔ تو اس حدیث نبوی ﷺ کی رو سے اس کے سارے گناہ بخش دیے جائینگے۔ جو ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک سرزد ہوئے۔

خطبہ جمعہ کی اہمیت:۔

یہ ساری تاکید اس وجہ سے ہیں۔ کہ جمعہ کا خطبہ ایک مہتم بالشان، اہم ترین حیثیت کا درجہ رکھتا ہے۔ اس لیے انتہائی سکون، خاموشی، اطمینان اور نظم وضبط کی ضرورت ہے۔ کہ سارے مسلمان اسے یکسوئی سے سن سکیں۔ خطیب کا خطبہ بھی ایسا ہو۔ جو ملت مسلمہ کے اہم ترین مسائل کو سمیٹے۔ ہر خطبہ وقت کے مطابق ہو۔ خطیب ہر جمعے علیحدہ امور چھیڑے۔ خطبے میں بدکلامی، استہزا اور تکفیر کی باتیں نہ ہوں۔

۶) اذا اُقیمت الصلوٰة فلا تاتوھا تسعون و اُتوھا تمشون علیکم السکینة ما ادرکتم فصلوا ومافاتکم فاقیموا.

ترجمہ:.

جب نماز کھڑی ہو جائے۔ تو اس کے لیے دوڑے ہوئے نہ آؤ۔ بلکہ اطمینان اور وقار کے ساتھ چلتے ہوئے آؤ۔ جو نماز تو پالو۔ اسے ادا کرو۔ اور جو تم سے رہ جائے اسے پورا کرلو۔

تشریح:۔

اس حدیث میں باجماعت نماز میں شریک ہونے کے لیے مسجد جانے کے آداب بتائے گئے ہیں۔ ضروری ہے کہ مسجد کو تکبیر اولیٰ کہنے سے پہلے نماز گزار پہنچا ہو۔ لیکن اگر کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے۔ تو بھاگتے دوڑتے جماعت میں شامل ہونے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ وقار اور متانت کا خیال رکھنا چاہیے۔ شائستگی اور آرام کے ساتھ چلنا چاہیے۔ جتنی نماز اور جتنی رکعتیں ملیں۔ پڑھ لیں۔ جتنی نہیں ملیں۔ بعد از سلام انہیں پورا کرے۔ بھاگ دوڑ والا عمل اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ یہ خانہ خدا کے آداب اور انسانی وقار کے خلاف ہیں۔ ویسے بھی جب نماز کے قدم مسجد کی طرف اٹھتے ہیں۔ اس وقت نماز میں شامل متصور ہوتا ہے۔

اسلام ہمیں نظم وضبط، شائستگی، سلیقہ پابندی، وقت اور وقار جیسی صفات سکھاتا ہے۔ مسلمان اس وقت جبکہ گھڑیوں کا رواج نہ تھا۔ آذان سے پہلے یا آذان سن کر مسجد کی طرف وقار سے جاتے تھے۔ آج کے زمانے میں لاؤڈ سپیکر ہیں۔ تقریباً ہر شخص کے پاس گھڑی ہوتی ہے۔ تو کوشش کرنی چاہیے۔ کہ وقت پر مسجد پہنچنے کی کوشش کی جائے۔ پھر بھی کسی وجہ سے دیر ہوگئی۔ تو دوڑ لگا کر نہیں جانا چاہیے۔ انتہائی اطمینان اور سکون سے جائیں۔ ورد کرتے رہیں۔ اور تسبیحات ساتھ دل میں پڑھتے رہیں۔ امام کا خطبہ آپ کے کانوں کو پہنچ رہا ہو۔ تو اسے سننے کی کوشش کریں باتیں نہ کریں۔ بعض لوگ رکوع کے لیے امام کی تکبیر اولیٰ سنتے ہیں۔ تو خوب دوڑ لگاتے ہیں۔ کہ رکوع پالیں۔ یہاں تسعون کا مطلب یہی ہے۔ حضور ﷺ نے اس دوڑ سے منع کیا۔ وجہ ظاہر ہے۔ کہ مسلمان کو شائستگی کا ثبوت دینا چاہیے۔ مساجد کی فرشیں آج کل پھسلن والی ہوتی ہیں۔ تو احتیاط اور بھی ضروری ہیں۔

مساجد کا احترام:۔

مساجد اللہ کے گھر ہیں۔ ان کا تقدس واحترام ضروری ہیں۔ مساجد اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے مخصوص ہیں۔ وہ کھیلنے کے میدان نہیں۔ نیز جو لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ دوڑ لگانے سے ان کے خشوع وخضوع میں پاؤں کی بلند چاپ سے خلل پڑنے کا اندیشہ ہے۔ وقار سے جائیں۔ نماز میں شامل ہوں۔ جو نماز ہو چکی ہے۔ اسے اطمینان سے ختم کرلو۔ جو رہ گیا اسے بعد میں پورا کرلو۔

۷. من صام رمضان و قامه ایمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه.

ترجمہ:۔

جس نے ایمان اور اجر کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے۔ اور اس کی (راتوں) میں قیام کیا۔ اس کے پہلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔۔

تشریح:۔

روزہ اسلام کا اہم رکن ہے۔ اس مہینے میں انسان کے اندر دینی مزاج اور صبر وتقویٰ پیدا کرنے کے لیے مخصوص دینی فضاء پیدا ہو جاتی ہے۔ اس ماہ کو نیکیوں کی فصل بہار قرار دیا ہے۔ یہ ایک غیر ماہ کی غیر معمولی تربیتی نظام ہے۔ اس میں انسان سخت ڈسپلن سے گزرتا ہے۔ نفس کشی کا عمدہ اہتمام ہوتا ہے۔ روحانی بالیدگی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اس سے گزر کر انسان کندن بن جاتا ہے۔ گناہ دھل جاتے ہے۔ لیکن شرط یہ ہے۔ کہ ایمان واحتساب کا پورا خیال ہو۔ اور روزوں کے ساتھ راتوں کا قیام ہو۔ اس مہینے میں ایک ایک نیکی کا بے پناہ اجر ملتا ہے۔ ہاں خلوص ہونا چاہیے۔ ریا نہیں۔

ماہ رمضان کے روزے۔

یہ مہینہ انتہائی بابرکت مہینہ ہے۔اس مہینے میں حکم خداوندی کے ذریعے روزے فرض کئے گئے ہیں۔قرآن کریم نے فرمایا۔

شهر رمضان الذی أُنزل فيه القرآن . فمن شهد منكم الشهر فليصمه.

ترجمہ: رمضان وہ مہینہ ہے۔جس میں قرآن نازل ہوا۔جس نے یہ مہینہ پالیا۔تو وہ اس کے روزے رکھے۔ایک اور جگہ ارشادربانیہ ہے۔**کتب علیکم الصیام۔**

ترجمہ:۔ تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔

ایمان واحتساب:۔

ایمان یقین،حفاظت،احتساب،اجروپابندی۔جس نے رمضان کے روزے یقین وایمان اور حفاظت کے ساتھ رکھے۔اوراجر کی خاطر پوری پابندی اور اس کا حق ادا کرتے ہوئے رکھے۔تو اس کے تمام پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔"صوم" عربی زبان کا لفظ ہے۔اوراس کے معنی ہے۔رکنا اور برداشت کرنا۔یہ نام اس لیے دیا گیا ہے۔میں انسان کے کھانے پینے،جماع،فوحش اور ہوائے نفس سے پوری طرح رک جاتا ہے۔اللہ کا ہو جاتا ہے۔

۸) **للصائم فرحتان فرحة" عند افطار ه فرحة عند لقاء ربه.**

ترجمہ:۔

روزہ دار کے لیے دوخوشیاں ہیں۔ایک خوشی اس کے افطار کے وقت اور ایک خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت۔

تشریح:۔

یہ انتہائی مشقت والی عبادت ہے۔روزہ دار دن بھر اپنے رب کی تعمیل میں نہ کچھ کھاتا ہے۔نہ پیتا ہے۔اسے شام کے وقت خوب پیاس وبھوک ہوتی ہے۔آذان کی آواز سنتے ہی اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔جب وہ بہترین عمل نامہ حاصل کرلے گا۔اوردیدار الٰہی اسے نصیب ہوگی۔یہ خوشی بہت ہی اعلیٰ ہے۔اس طرح اسے دوخوشیاں ملیں۔

فرحت افطار:۔

شام جب قریب آجاتی ہے۔اورافطار کا وقت آتا ہے۔تو روزہ دار کو اس سے بے حد خوشی ملتی ہے۔وہ سارا دن اللہ کے لیے بھوکا پیاسا رہا۔جب وہ افطار کرتے ہوئے کچھ کھا پی لیتا ہے۔تو اس کے جسم میں توانائی آجاتی ہے۔اوراسے خوبصورت فرحت نصیب ہوتی ہے۔اوراسے بے پناہ خوشی کا احساس ہوتا ہے۔

فرحت لقائے ربانی:۔

ازروئے حدیث دوسری خوشی وہ ہوگی۔جو اللہ سے ملاقات کے وقت حاصل ہوگی۔کیونکہ حدیث قدسی ہے۔

"الصوم لی وانا اجزی بہ"

ترجمہ: روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دونگا۔محدثین نے کہا ہے کہ **انا اجزی بہ** کی جگہ **انا اجزی بہ** پڑھے جائیں۔یعنی روزہ میرے لیے ہیں۔اور میں ہی اس کا بدلہ ہوں۔صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں روایات آئی ہیں۔جو ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ آدمی کے ہر نیکی کام کے بدلے دس سے سات سو تک دیا جاتا ہے۔اللہ نے فرمایا۔مگر روزہ میرے لیے ہے اور اس کی جزا میں دونگا۔

۹) **من حج البيت فقضىٰ مناسكه وسلم المسلمون من لسانه ويده غفر له ما تقدم من ذنبه.**

ترجمہ:۔

جس نے بیت اللہ کا حج اور اس کے مناسک (پورے) ادا کئے اور مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہے۔تو اس کے پہلے گناہ معاف کردیئے گئے۔

تشریح:۔

حج بھی اسلام کا ایک رکن ہے۔ہر صاحب استطاعت مسلمان مردوعورت پر زندگی میں ایک بار فرض ہے۔حج کے لغوی معنی ہیں۔ارادہ کرنا۔زیارت کرنا۔اصطلاحی اور شرعی معنی یہ ہیں۔کہ سال کے خاص دنوں میں مسلمان احرام باندھ کر مکہ معظمہ جاتے ہیں۔

حج کے سلسلے میں مکہ میں دنیا بھر کے مسلمانوں کا عظیم الشان اجتماع ہوتا ہے۔یہ عالمگیر اخوت،مساوات،اتحاد،وحدانیت اللہ کا روح پرور نظارہ ہوتا ہے۔یہ مسلمانوں کی بین الاقوامی اختلافات دور کرنے کا بڑا ذریعہ ہے۔حدیث نے واضح کیا۔کہ اس موقع پر صبر وتحمل اور عفو ودرگزر کا مظاہرہ کیا جائے۔کسی کی نہ زبان سے دل آزاری کی جائے نہ ہاتھ سے اس کو تکلیف پہنچائی جائے۔اس حدیث میں یہ بات کی گئی ہے کہ جو حج اس اہتمام سے کیا جائیگا۔اس کے نتیجے میں انسان کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائینگے۔

مناسک حج:۔

ا) نیت بیت حرام، تلبیہ:

حج کے لیے مکہ میں داخل ہونے سے قبل مکہ کا چاروں اطراف میں مقررہ مقامات (میقات) سے احرام باندھنا ہوتا ہے۔یہ دوران بغیر سلے کپڑے ہوتے ہیں۔ہوائی جہاز سے آنے والے ہوائی اڈے پر احرام باندھتے ہیں۔عورتوں کے اپنے کپڑے ہی احرام ہوتے ہیں۔وہ سر کے بالوں کو رومال سے چھپادیں مرد سر کو ننگا رکھتے ہیں۔احرام کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا ہوتا ہے۔اور پھر یہ الفاظ یعنی تلبیہ پڑھنا ہوتا ہے۔

لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک و الملک . لاشریک لک.

ترجمہ: حاضر ہوں۔اے اللہ میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں۔حمد و نعت تیرے لیے ہیں۔تیرا کوئی شریک نہیں۔

۲) عمرہ:. عمرہ ادا کرنے طواف کعبہ کیا جائے۔اور سات چکر پورے کئے جائیں۔اور استلام بھی کیا جائے۔یعنی ہر چکر شروع کرنے پر حجرا اسود کو بوسہ دیا جائے۔یا اسے دور سے اشارہ کیا جائے۔مقام ابراہیم پر دو رکعت نفلی پڑھی جائے۔ہجوم ہو تو پیچھے پڑھیں۔اس کے بعد صفا مروہ کے درمیان سات دفعہ سعی کی جائے۔صفا سے مروہ ایک سعی اور پھر مروہ سے صفا دوسری سعی شمار ہوتی ہیں۔

۳)منیٰ میں قیام:.

۸ ذی الحج کو لوگ عرفات جاتے ہیں۔مسجد میں امام خطبہ دیتا ہے۔پھر ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی پڑھتے ہیں۔پھر حاجی میدان عرفات میں غروب آفتاب تک کھڑے ہوتے ہیں۔اور وہ روکر دعائیں مانگتے ہیں۔تلبیہ پڑھتے ہیں۔یہاں ایک ہی لباس میں لاکھوں مسلمانوں کا ایمان افروز روح پرور اجتماع ہوتا ہے۔وقوف عرفات حج کا ایک اہم رکن ہے۔یہ ادا کئے بغیر حج نہیں ہوسکتا۔

۴) وقوف عرفات:.

۹ ذی الحجہ کو لوگ عرفات جاتے ہیں۔مسجد میں امام خطبہ دیتا ہے۔پھر ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی پڑھتے ہیں۔پھر حاجی میدان عرفات میں غروب آفتاب تک کھڑے ہوتے ہیں۔اور رو رو کر دعائیں مانگتے ہیں۔تلبیہ پڑھتے ہیں۔یہاں ایک ہی لباس میں لاکھوں مسلمانوں کا ایمان افروز روح پرور اجتماع ہوتا ہے۔وقوف عرفات حج کا ایک اہم رکن ہے۔یہ ادا کئے بغیر حج نہیں ہوسکتا۔

۵) مزدلفہ میں رات گزارنا:.

غروب آفتاب کے بعد سب مزدلفہ میں آتے ہیں۔اور عشاء کے وقت مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھتے ہیں۔طلوع آفتاب پر لوگ منیٰ جاتے ہیں۔

۶) رمی جمرات ، قربانی، احرام کھولنا:.

۱۰ ذی الحج کو بڑے شیطان (جمرہ عقبہ) کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔پھر قربانی ہوتی ہے۔پھر احرام کھلتا ہے۔سر مونڈوانا ہوتا ہے۔احرام کھلنے کے بعد طواف زیارت کرنا ہے۔

۷) طواف زیارت:.

اس کے بعد مکہ معظمہ میں جا کر طواف زیارت کرنا ہوتا ہے۔یہ ایک اہم فریضہ ہے۔اس کے بغیر حج نہیں ہوتا۔اور طواف کر کے پھر منیٰ آنا ہوتا ہے۔

۸) منیٰ میں رمی جمرات:۔ منیٰ میں ۱۱، ۱۲، اور ۱۳ ذوالحجہ کو تینوں شیطانوں کو کنکریاں مارے جاتے ہیں۔

۹) مدینہ کی زیارت:۔

حاجی دور ممالک سے آئے ہوئے ہوتے ہیں۔وہ مدینہ منورہ جاتے ہیں۔اور روضۂ اقدس پر حاضری دیتے ہیں۔چالیس نمازیں پوری کرتے ہیں۔حج کے دوران ہاتھ زبان سے تکلیف نہ پہنچانے کا اجر۔گناہوں کی مغفرت:

حدیث مبارک میں کہا گیا۔کہ جس نے حج کے مناسک ادا کئے۔اور مسلمان اس کی زبان سے اور ہاتھ محفوظ رہے۔تو اس کے پہلے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔یہ انتہائی ضروری بات ہے۔کہ جس نے حج ادا کیا۔ہر طرح اپنی اور دوسروں کی حفاظت کی۔کسی کو نقصان نہیں پہنچایا۔اور اس کے گناہ معاف ہوگئے۔تو وطن واپس آکر حج کے حاصل شدہ برکات کے تحفظ کا اہتمام کرے۔حرام کی کمائی سے بچا رہے۔لوگ اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہیں۔

۱۰) من اغبرت قدماہ فی سبیل اللہ، حرمہ اللہ علی النار۔

ترجمہ:۔

جس کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلودہ ہوئے۔اللہ نے اس پر آگ حرام کردیا۔

تشریح:۔

اللہ تعالیٰ کے راستے میں جو بھی کوشش کی جائے۔وہ اللہ کے نزدیک بڑی پسندیدہ ہوتی ہے۔کوئی علم کی طلب میں نکلتا ہے۔حج یا نماز کی ادائیگی کے لیے جاتا ہے۔مسلمان بھائی کا مدد یا عیادت وغیرہ کے لیے جاتا ہے۔اللہ کے دین کی دعوت اور تبلیغ کے لیے نکلتا ہے۔جہاد کے لیے نکلتا ہے۔تو یہ تمام کام جو سرانجام دیتا ہے۔اور اس سلسلے میں اس کے قدم غبار آلود ہوجائیں۔تو ان مبارک قدموں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ اس پر حرام کردیتا ہے۔حضورﷺ کی بہت سی اس طرح اور احادیث بھی ہیں۔جس میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکل کر کوشش کرنے کے بے شمار اور ان گنت انعامات بیان ہوئے ہیں۔

اللہ کے راستے میں دونوں قدم غبار آلود ھونا:۔

یہاں مراد یہ ہے۔کہ اللہ کے راستے میں باہر نکلنے والے کے قدم غبار آلودہ ہوجائیں۔یعنی وہ لوگ جو جہاد کے لیے نکلتے ہو۔اور جہاد کے زیر اثر تکالیف اور مشکلات سے گزرتے ہیں۔جہاد کے اثرات ان کے تن بدن پر ظاہر ہوتے ہیں۔

جہاد:۔

حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہے۔کہ جو لوگ فی سبیل اللہ کے فریضے سے عہدہ و برآ ہوتے ہیں۔اللہ کے راستے میں کوشش کرتے ہیں۔تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔اور دین کی سربلندی،

ملت اسلامیہ کی بقا اور ترقی اور نیکی کی اشاعت میں وہ اپنی زبان (جہاد باللسان)، قلم (جہاد بالقلم)، جان (جہاد بالنفس)، ہاتھ و پاؤں (جہاد بالقوہ)، مال (جہاد بالمال) سے پوری جدو جہد کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے احساس دوزخ کی آگ سے محفوظ کر لیتا ہیں۔ جہاد میں تبلیغ دین بھی آتی ہے۔ جب وہ اس مقصد کے لیے گھر بار چھوڑ کر نکلتا ہے۔

جہاد بالسیف:۔

جہاد میں اعلائے کلمۃ الحق اور ملت اسلامیہ کے تحفظ کی خاطر اسلحہ سے لڑنا بھی شامل ہے۔ اسے جہاد بالسیف کہتے ہیں۔ اور اس میں ہر قسم کا اسلحہ استعمال کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو حکم ہے کہ۔ وہ اپنے دشمن کے لیے جو اسلحہ ضروری سمجھے تو تیار کر لے۔ آج کل مسلمانوں کے لیے ایٹمی اسلحہ، جوہری اسلحہ اور جدید ترین ہتھیار بنانا ضروری ہو گیا ہے۔ کیونکہ طاغوتی کافرانہ قوتیں مسلمانوں کو ختم کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ اس جہاد میں جو لوگ شہادت پائیں انہیں انتہائی خوبصورت زندگی کی حلاوت حاصل ہو جاتی ہے۔ جو بہترین اور انتہائی خوشگوار نعمت ہے۔ جو لوگ شہادت نہیں پاتے۔ لیکن جہاد کی ساری کوششوں میں شامل ہو جائیں۔ تو ان پر جہنم کی آگ حرام کر دی جاتی ہے۔

Tehkals.com Learn & Teach

تیسرا حصہ:

موضوعاتی مطالعہ

۱) زکوٰۃ (فرضیت۔ہمت۔مصارف)

۲) صبروشکراورانفرادی واجتماعی زندگی

۳) عائلی زندگی

۴) ہجرت وجہاد

زکوٰۃ

(فرضیت۔اہمیت۔مصارف)

سوال ا: زکوٰۃ کامفہوم اوراس کی فرضیت بیان کیجئیے۔

جواب:۔ زکوٰۃ کے لفظی معنی ہیں۔پاک ہونا۔نشونماپانااور بڑھنا۔یہ ایک مالی عبادت ہے۔اوردین اسلام کاایک رکن ہے۔جوایک صاحب نصاب مسلمان پراپنے مال سے ایک خاص شرح کے مطابق فرض ہے۔زکوٰۃ سے مال میں برکت پیداہوتی ہے۔اورآخرت میں بھی اجروثواب ملتاہے۔زکوٰۃ ادانہ کرنابہت بڑاگناہ ہے۔کیونکہ قرآن مجید میں اکثرمقامات پرنمازاورزکوٰۃ کی فرضیت کاذکرایک ساتھ آیا ہے۔چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔**"اقیمواالصلوٰۃ واتواالزکوٰۃ"** نمازقائم کرواورزکوٰۃ دیتےرہو،حکم بارباآیاہے۔

زکوٰۃ کی فرضیت:۔

قرآن کریم نے فرمایا۔**والذین فی اموالھم حق معلوم . للسائل والمحروم.**

ترجمہ:۔اورمؤمنین اورنمازگزاروہ لوگ ہیں۔جن کے اموال میں سائل اورمحروم کے لیے مقررمعلوم حصہ ہے۔

زکوٰۃ کانصاب اورشرح:۔

مال کے لیے نصاب مقررہے۔جوساڑھے سات تولےسونایاساڑھے باون تولےچاندی ہے۔یااتنی مالیت کے برابرنقدی یاسامان تجارت۔اس میں سال گزرنے پراڑھائی فیصد زکوٰۃ ہے۔زمین کی پیداوار میں نصاب کاہونااورسال گزرنے کی شرط نہیں۔بارانی زمین میں بیسواں حصہ دیناپڑتاہے۔جانوروں کی ملکیت کے لیے مختلف نصاب ہیں۔شرط یہ ہے۔کہ تجارتی مقاصد کے لیے ہوں۔کم ازکم چالیس بھیڑبکری،تیس گائے بیل،اورپانچ اونٹوں پرزکوٰۃ دینی پڑتی ہے۔اس کی علیحدہ شرط مقررہے۔

وہ چیزیں جن پرزکوٰۃ فرض نہیں؛

گھرکےاستعمال کی اشیاء،کپڑے،فرنیچر،سواری کے جانور،موٹرسائیکل،ہتھیار،ذاتی کتب،اوررہن شدہ جائیدادپرزکوٰۃ فرض نہیں۔حنفی فقہ کے مطابق استعمال کے زیورات پر زکوٰۃ دینی پڑے گی۔جونصاب کے مطابق ہوں۔دیوانے اوربچے پرزکوٰۃ فرض نہیں۔مقروض کاقرضہ اتناہوکہ اداکرنے کے بعدنصاب جتنامال نہ رہے۔اس پربھی زکوٰۃ لازم نہیں۔

سوال۲) زکوٰۃ کی اہمیت پرنوٹ لکھیں۔

جواب:۔ قرآن مجید میں نمازاورزکوٰۃ کی فرضیت کاذکرایک ساتھ کیاگیاہے۔یہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔اس سے مال ودل کی صفائی ہوتی ہے۔زکوٰۃ اسلامی واقتصادی نظام کی روح ہے۔اس سےمحروموں ومحتاجین کی محرومی ختم ہوتی ہے۔زکوٰۃ کی اہمیت اس واقعہ سے بھی ظاہرہوتی ہے۔کہ جب ایک مرتبہ ایک گروہ نے بارگاہ نبوت پرحاضرہوکراسلامی تعلیمات دریافت کیں۔تو آپ ﷺ نے اعمال میں سب سے پہلےنمازاورپھرزکوٰۃ کاذکرفرمایا۔

رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعدجب بعض لوگوں نے زکوٰۃ اداکرنے سے انکارکیا۔توحضرت ابوبکرؓ نےان کے خلاف جہادکیا۔

نمازوزکوٰۃ کوربط وتعلق:۔

قرآن مجید میں نمازکے حکم کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی کاحکم بھی ہواہے۔اس میں حکمت یہ ہے۔کہ نمازاللہ تعالیٰ کاحق ہے۔اورزکوٰۃ بندوں کا۔گویاقرآن میں اس کاتکراراوریکجائی کامطلب حقوق اللہ اورحقوق العباددونوں کی اہمیت جتانامقصودہے۔

تزکیہ نفس:۔

قرآن حکیم نے فرمایا:۔ **سیجنبھا الاتقیٰ الذی یوتی مالہ یتزکیٰ.(لیل:۱۷)**

ترجمہ:۔ جہنم سے اس شخص کو دور کیا جائے گا۔ جو اللہ سے بہت ڈرنے والا ہے۔ جو تزکیہ اور پاکی کی خاطر اپنا مال دوسروں کو دیتا ہے۔

امداد باھمی:۔

زکوٰۃ کی حکمت یہ ہے۔ کہ غریبوں اور محروموں کی امداد کی جائے۔ سورۂ توبہ میں اللہ فرماتا ہے۔ کہ مئومنین وہ لوگ ہیں۔ جن کے اموال میں سائل ومحروم کا معین ومقرر حصہ ہے۔

نصرت دین:۔

زکوٰۃ کی اہمیت یہ بھی ہے۔ کہ اس کے ذریعے دین کی نصرت وحفاظت کی جائے۔ اور زکوٰۃ کے لیے ایک معروف "فی سبیل اللہ" بھی قرآن مجید نے بتایا۔ یعنی دین کی سربلندی، اشاعت کے لیے اور جنگی دفاع ضروریات پر زکوٰۃ خرچ کی جائے۔

اجر عظیم کا ذریعہ:۔

قرآن مجید میں ہے۔ بے شک وہ لوگ جو ایمان لے آئیں۔ نیک عمل کریں۔ نماز قائم کریں۔ زکوٰۃ دیں۔ ان کا اجر بلاشبہ ان کے رب کے پاس ہے۔

دولت کو گردش میں رکھنے کا ذریعہ:۔

معاشرتی سکون کو انتشار سے بچانے کے لیے اسلام نے دولت کی گردش کو ضروری سمجھا۔ تاکہ اقتصادی توازن برقرار رہے۔ قرآن مجید نے بتایا۔

کی لایکون دولۃ بین العنیاء منکم.(حشر:۷)

ترجمہ:۔ تاکہ ایسا نہ ہو۔ کہ مال ودولت صرف دولت مندوں کے گروہ میں محصور ہوکر رہ جائے۔ گویا زکوٰۃ طبقاتی کشمکش کو ختم کرنے کا ذریعہ ہے۔

سوال ۳: **زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کو قرآن نے کیا وعید سنائی ہے؟**

جواب: زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے خلاف قرآن نے وعید سنائی ہے۔ جس کا اندازہ قرآن مجید کی ان آیات سے لگایا جاسکتا ہے۔

والذین ینکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم. یوم یحمیٰ علیھا فی نارجھنم فتکویٰ بھا جباھھم و جنوبھم و ظھورھم . ھٰذا ما کنزتم لا نفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون. (سورۃالتوبہ ۳۴. ۳۵)

ترجمہ:۔ جو لوگ سونا چاندی سینت سینت کر (جمع کر کے خزانہ بنا کر) رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔ اس (قیامت کے) دن اس (سونے چاندی) کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا۔ اور پھر اس کے ساتھ ان چہروں، پہلو اور ان کی پشتیں داغی جائیں گی۔ (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جو تم اپنے لیے جمع کر کے لائے ہو۔ اب اس کا مزہ چکھو جو تم کرتے رہتے تھے۔ زکوٰۃ سماجی فلاحی وبہبود کا بہترین ذریعہ ہے۔ زکوٰۃ کے ذریعے معاشرے کے محروم اور مفلس لوگوں کی کفالت ہوتی ہے۔ اور اس طرح معاشرے میں نفرت وانتقام کے بجائے ہمدردی واحترام اور باہمی محبت کے جذبات کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ زکوٰۃ دینے والے کے دل سے مال کی محبت مٹ جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا جذبہ غالب آجاتا ہے۔ غریبوں سے ہمدردی ہوجاتی ہے۔ اور دولت کے گردش میں آنے سے معاشرے کے افراد کی مالی حالت بہتر ہوجاتی ہے۔ اگر زکوٰۃ نہ دی جائے۔ تو مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہوسکیں گے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا۔

سوال ۴. قرآنی تعلیمات کی روشنی میں زکوٰۃ کے مصارف بیان کیجئے۔

جواب: قرآن حکیم نے زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کئے گئے ہیں۔

انما الصدقٰت للفقراء والمساکین و العٰملین علیھا والمئولفۃ قلوبھم و فی الرقاب والعارمین و فی سبیل اللہ و ابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم(التوبہ: ۶۰)

ترجمہ:۔ زکوٰۃ غریبوں، مسکینوں زکوٰۃ کے محکمے میں کام کرنے والوں اور ان لوگوں کے لیے ہیں۔ جن کے دلوں کو اسلام کی طرف جوڑتا ہے۔ اور گردن چھڑانے میں مدد دیتا ہے۔ (غلاموں کو آزاد کرانا) اور جو تاوان بھریں۔ (قرض دار)، اور خدا کی راہ میں مسافروں کے لیے۔ یہ خدا کی طرف سے ٹھہرایا ہوا ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے"۔

اس آیات کی روشنی میں زکوٰۃ کے مندرجہ ذیل آٹھ مصارف ہیں۔

۱)فقراء:۔

فقیر سے مراد وہ مرد یا عورت ہے۔ جو اپنے گزراوقات کے لیے کچھ نہ رکھتے ہوں۔ دوسروں کی مدد اور تعاون کے محتاج ہوں۔

۲) مساکین:۔

وہ لوگ (مرد وعورت) جن کو بقدر حاجت میسر نہ ہو۔ جو نہایت ہی خستہ حال ہوں۔ لیکن شرم کی وجہ سے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھلائیں۔

۳) عاملین:۔

ان سے مراد زکوٰۃ جمع کرنے والے سرکاری ملازمین ہیں۔ جو حکومت کی جانب سے مقرر کئے گئے ہوں۔

۴) متولفۃ القلوب:۔

ان سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جن کی اسلام لانے کی امید ہو۔ یا ایسے نومسلم جو اسلام میں کمزور ہوں۔ تو ان کی تالیف قلب (دل جوئی) کی خاطر وہ بھی مصارف زکوٰۃ میں شامل ہیں۔

۵) رقاب:۔

ان سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں۔ اور اپنی گردنوں (رقاب) کی آزادی چاہتے ہوں۔ انہیں خرید کر آزاد کیا جاسکتا ہے۔ یا انہیں آزادی کے لیے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

۶) غارمین (مقروض).

اس سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہوں۔ اور قرض ادا نہ کرسکتے ہوں۔ یا ضمانت میں پھنس گئے ہوں۔

۷) فی سبیل اللہ:۔

اس مراد اللہ کی راہ میں جہاد اور اشاعت دین ہے۔

۸) ابن سبیل:۔

اس سے مراد راستے والے یعنی مسافر ہیں۔ جو حالت سفر میں صاحب نصاب نہ ہوں۔ سفر میں ضرورت مند ہو جائے۔ اگر چہ اپنے گھر میں صاحب نصاب بھی ہوں۔ زکوٰۃ دیتے وقت پہلے رشتہ داروں کا خیال رکھا جائے۔

صبر و شکر اور انفرادی و اجتماعی زندگی

Tehkals.com Learn & Teach

سوال ا: اسلامی تعلیمات میں صبر کی ترغیب کوں دی گئی ہے؟

جواب:۔ مفہوم:۔

صبر کے لغوی معنی ہیں۔ روکنا اور برداشت کرنا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ناخوشگوار حالات میں اپنے نفس پر قابو رکھا جائے۔ گھبرانے کی بجائے ثابت قدمی اختیار کی جائے۔ صبر اور شکر ایسے اوصاف ہیں۔ جو ایک مؤمن میں ایک ساتھ جھلکتے ہیں۔ یہ ایمان کا کامل ہونے کی دلیل ہے۔

صبر نجات کا راستہ ہے۔

ایک مسلمان کو کوئی دکھ تکلیف یا پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔ تو اسے سوچنا چاہیے۔ کہ یہ میرا آزمائش ہے اس میں پورے اترو۔ تو اس پر بہترین اجر ملے گا۔ اس طرح ہمیں اطمینان و ثابت قدمی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت حاصل ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ ہر قسم کی پریشانی اور گھبراہٹ سے نجات دے گا۔ متعدد بار قرآن نے صبر کے ساتھ نماز کا بھی کہا دونوں کی مدد سے مشکلات پر قابو پاؤ۔

واستعینو ابالصبر والصلوٰۃ:۔ ترجمہ:۔ "صبر اور صلوٰۃ سے مدد مانگو"۔

صبر کے مفید نتائج:۔

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں صبر کے مفید نتائج سامنے آتے ہیں۔ قوموں پر جب کوئی مصیبت یا برا وقت آجائے۔ تو اس کا مقابلہ صرف اور صرف صبر ہی سے کیا جاسکتا ہے۔ اگر ان حالات میں افراتفری، بدنظمی، مایوسی اور بےعملی کا مظاہرہ کیا جائے۔ تو قومیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ ایسی قومیں یہ ثابت کرتی ہے۔ کہ وہ آزمائش پر پورا اترنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اور عالمی برداری میں انہیں ایک باعزت مقام کا کوئی حق حاصل نہیں۔ کیونکہ اللہ ان کی مدد کرتا ہے۔ جو صبر کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

ان اللہ مع الصٰبرین۔ ترجمہ:۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کو حکم دیا۔ **فاصبر لحکم ربک۔** یعنی صبر کیجئے۔ اللہ کے حکم سے انہوں نے صبر کیا۔ اور اچھے بندے قرار دیئے گئے۔ اور آخرت میں کامیابی کی وجہ سے ہے۔ فرمایا **وبشر الصابرین۔** یعنی صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیجئے۔

صبر کے بارے میں مزید قرآنی آیات:۔

قرآن مجید میں تقریبا پچاس دفعہ صبر کا ذکر آیا ہے۔

۱) جو مصیبت تم پر آئی۔ اس پر صبر کرو۔ بے شک یہ بڑے عزم کی بات ہے۔ (لقمان: ۱۷)

۲) پس صبر کرو۔ عافیت (کی خوشیاں) پرہیز گاروں کے لیے ہیں۔ (ہود: ۴۹)

۳) اے پیغمبر! صبر سے کام لو۔ جس طرح اولوالعزم پیغمبروں کا صبر وطیرہ رہا ہے۔ (احقاف: ۳۵)

۴) بے شک جن لوگوں نے کہا۔ کہ اللہ ہمارا رب ہے۔ پھر وہ اس پر قائم رہے۔ تو ان پر فرشتے اترتے رہتے ہیں۔ کہ نہ ڈرو، غم نہ کرو۔ اس جنت کی بشارت سے خوش رہو۔ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

۵)۔ اور ہم یقیناً صبر سے کام لینے والوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق دیں گے۔

صبر کے بارے میں احادیث:۔

۱) صبر روشنی ہے۔

۲) جنت مشکلات کے پردوں میں لپٹی ہوئی ہے۔

۳) سب سے کڑی آزمائش انبیاء کی تھی۔ پھر درجہ بدرجہ ہر شخص اپنی قوت کے موافق امتحان میں ڈالا جاتا ہے۔اور سب سے زیادہ شدائد میں نے سہے۔

۴) صبر میری چادر ہے۔صبر جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

۵) صبر کشائش کی چابی ہے۔

۶) ایک شخص نے جہاد میں حصہ لیا۔زخمی ہوا۔درد برداشت نہ کر سکا خودکشی کی۔آپ ﷺ نے فرمایا جہنم میں گیا۔

صبر کے ثمرات:۔

۱) **صبر میں بے انتہا اجر ہے۔**

قرآن نے فرمایا۔بے شک جو صبر کرنے والے ہیں۔ان کو بے حساب اجر ملے گا۔صبر سے وسعت اور فراخی دینے والی زیادہ اچھی چیز کوئی نہیں۔

۲) **صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ محبت کرتا ہے۔**

قرآن مجید میں اللہ فرماتا ہے۔ **ان اللہ یحب الصابرین۔** یعنی بے شک اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔

۳) **صبر قرب خداوندی:۔**

جس قدر عظیم لوگ گزرے ہیں۔اسی قدر آزمائش میں مبتلا ہوئے۔صبر میں پورے اترے تو قرب خداوندی حاصل کیا۔

۴) **گناھوں کا کفارہ:۔**

صبر آدمی کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا۔مؤمن مردوں اور عورتوں پر آزمائش آتی ہے۔کبھی اولاد مرتی ہے۔کبھی مال چلا جاتا ہے۔لیکن جب وہ اللہ سے ملتے ہیں۔تو اللہ سے ملتے ہیں۔تو ان کے اعمال نامہ میں کچھ گناہ نہیں ہوتا۔

Tehkals.com Learn & Teach

سوال ۲:۔ قرآن وسنت میں شکر کی کیا اہمیت ہے؟

جواب: **مفہوم:۔**

شکر کے لغوی معنی ہیں۔کسی کے احسان وعنایت پر اس کی تعریف کرنا۔شکریہ ادا کرنا۔احسان ماننا لغوی معنی ہے۔کم چارے پر زیادہ دودھ دینا۔اور تروتازگی میں فرق نہ آنا۔اس بنیاد پر اس کا مفہوم ہوا۔کہ تھوڑی سی نیکی پر پورا اجر دیا جائے۔یہ صفت اللہ تعالیٰ میں موجود ہے۔قرآن میں اللہ اپنے آپ کو شاکر کہتا ہے۔شکر کے مقابلے میں " کفر" کا لفظ ہے۔جس کے معنی ہے ڈھانپنا۔نافرمانی کرنا۔ہم کفران نعمت کا لفظ بہت استعمال کرتے ہیں۔اسکا معنی ہے۔نعمت کا شکریہ ادا نہ کرنا۔

اللہ کی ذات سب سے زیادہ شکر کے مستحق ہے:۔

اس کی نعمتوں کا شمار نہیں۔قرآن حکیم میں ان نعمتوں کی طرف بہت اشارے ملتے ہیں۔کہ اللہ نے انسان کی ہر ضرورت مہیا کر دی ہے۔اللہ نے فرمایا۔کہ میں انسان کو ایک متناسب،موزوں جسم دیا۔عقل دی۔نگاہ دی۔آسمان سے پانی اتارا۔اس کے لیے غلہ میوے پیدا کیے۔انسانی معیشت کے سارے سامان اس کے لیے پیدا کیے گئے۔قرآن مجید نے بتایا۔یہ اس لیے کہ انسان شکر ادا کریں۔یہ بھی فرمایا کہ جو شکر گزاری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔تو انعامات میں اضافہ ہوتا ہے۔**لئن شکرتم لازیدنکم (ابراہیم:۷)** اگر شکر ادا کرو گے۔تو تمہیں اور زیادہ دیا جائے گا۔

اظہار نعمت:۔

نعمت کا اظہار ضروری ہے۔جیسے کہ قرآن مجید میں ہے۔

اما بنعمة ربک فحدث:۔ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کر۔حضور ﷺ نے فرمایا۔جس نے خدا کی ثناء بیان کی۔اس نے شکر ادا کیا۔

ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس ایک صاحب پھٹے لباس میں آئے۔آپ ﷺ نے پوچھا۔کیا تم کچھ مال رکھتے ہو؟ جواب دیا ہاں۔فرمایا اس کا اظہار کیا کرو۔یعنی ڈھنگ کے کپڑے پہنو۔احسانات خداوندی کے اعتراف کا یہ بھی تقاضا ہے۔کہ اس کے بندوں سے احسان کیا جائے۔اور احسان نہ جتایا جائے۔کہ اذیت بن جاتی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا۔کہ جو آدمی انسان کا شکریہ ادا نہیں کرتا۔وہ خدا کا شکر گزار نہیں۔

حضور ﷺ بہت طویل نماز پڑھتے تھے۔کہ پاؤں سوجھ جاتے تھے۔ایک صحابی نے پوچھا۔کہ آپ ﷺ معفور ہیں۔فرمایا کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

شکر ادا کرنے کے طریقے۔

شکر ادا کرنے کے تین طریقے ہیں۔

۱) زبان سے ۲) دل سے ۳) عمل سے ہمیں تینوں طریقوں سے شکر ادا کرنا چاہیے۔

اللہ کا حکم:۔

ہم پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار انعامات و احسانات ہیں۔ ہم ان کو گن نہیں سکتے۔ لہٰذا ہر انسان کے لیے ضروری ہے۔ کہ وہاں احسانات کو عطا کرنے والے کا شکر ادا کرے۔ قرآن حکیم نے فرمایا۔ **وان تعدو نعمة الله لا تحصوها۔** یعنی اگر تم خدا کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو۔ تو گن نہ سکو گے۔ قرآن مجید نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے شکم سے پیدا کیا۔ کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے۔ اور اس نے تم کو کان، آنکھیں اور دل دیا۔ تا کہ تم شکر ادا کرتے رہو۔

اللہ کی رضا مندی:۔

شکر رضائے الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے۔ فرمایا۔ **وان تشکروا یرضہ لکم۔** اگر تم شکر کرو گے۔ تو اللہ تم سے راضی ہو گا۔

کفارہ گناہ:۔

حضور کریم ﷺ نے فرمایا۔ کہ جو شخص کھانا کھائے اور پھر کہے کہ جس ذات کریم نے بغیر میری تدبیر اور قوت کے مجھے یہ کھانا دیا۔ اس پر شکر ادا کرتا ہوں۔ تو اس سے پہلے جو گناہ سرزد ہو چکے ہوں۔ وہ معاف ہو جاتے ہیں۔

عائلی زندگی

س ۱: عائلی زندگی سے کیا مراد ہے؟

جواب: عائلی زندگی سے مراد ہے۔ خاندانی زندگی۔ اردو میں اس سے مراد کنبہ یا گھرانا ہے۔ عربی میں "**اُسرۃ عیال**" مستعمل ہے۔ انسان پیدائش سے موت تک ساری زندگی اپنے خاندان میں گزارتا ہے۔ خاندان کے افراد مختلف رشتوں کی بناء پر ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں۔ انسانی تمدن کی ابتداء بھی خاندانی نظام سے ہوئی اور اسی بقاء کے لیے بھی اس کا قیام ضروری ہے۔ گویا خاندان معاشرے کا بنیادی جزو ہے۔ اور معاشرے کے اثرات خاندان پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ اگر معاشرہ اسلامی طرز زندگی پر گامزن ہو گا۔ تو خاندان پر اس کے اچھے اثرات پڑیں گے۔ اسلام نے انسانی معاشرے میں ایک مضبوط خاندانی نظام کو بڑی اہمیت دی ہے۔ زوجین (شوہر، بیوی) خاندان کے دو اہم ستون ہیں۔ تیسرا ستون جن سے عائلی زندگی کا تکون بنتا ہے۔ اولاد ہے۔ یہ انتہائی اہم مثلث ہے۔ اس میں جتنی ہم آہنگی ہو گی۔ اتنی خوبصورتی پیدا ہو گی۔

Tehkals.com Learn & Teach

مقصد اور حیثیت:۔

خاندان یا کنبہ انسانی تمدن کا سب سے پہلا اور بنیادی دائرہ ہے۔ جس کی ابتداء حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ سے ہوئی۔ انسان سب مخلوقات میں اشرف ہے۔ اس لیے انسانی خاندانی نظام بھی اشرف ہے۔ اس میں داشتاؤں یا بغیر نکاح کے جانوروں کی طرح رہنے اور لواطت اور ہم جنس پرستی کا تصور نہیں۔ نہ اس میں ایران کے "مزوک" فلسفی کے فلسفے کی گنجائش ہے۔ کہ شادی سے اجتناب کیا جائے۔ اور مرد و زن کے میل جول سے احتراز کیا جائے۔ جب انسان اس دنیا میں آنکھیں کھولتا ہے۔ تو اپنے ارد گرد رشتوں اور تعلقات کا ایک وسیع حلقہ دیکھتا ہے۔ اسے قدم قدم پر دوسروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ کوئی درخت نہیں کہ زمین سے، ہوا سے، روشنی سے خود بخود نشونما پاتا رہے۔ اس کو پرورش و تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس عقل و خرد سے مزین انسان کو آگے بڑھنے کے لیے تعلیمی، اخلاقی، نفسیاتی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور اس طرح یہ اشرف مخلوق نشو و نما پاتا ہے۔ جو بہترین غور پرداخت اور پرورش سے بہترین شخص بنتا ہے۔

اسلام نے عائلی زندگی میں توازن و اعتدال اور حقوق و فرائض کو مدنظر رکھا ہے۔ اور باقاعدہ تقسیم واضح کی ہے۔ تا کہ ایک صالح معاشرہ اور ایک جاندار تمدن وجود میں آئے۔ یہ تربیت خاندانی زندگی سے ملتی ہے۔ ہمدردی، ایثار، خیر خواہی اور تحمل کی اعلیٰ صفات پیدا کرنے کی خاطر اس بنیادی ادارے کا وجود ضروری ہے۔ تا کہ ملت کی بقا اپنی پوری اخلاقی طہارت، درس ذمہ داری اور بہترین تربیت کے ساتھ ممکن ہو سکے۔ اگر خاندان کے افراد بُرے اور بد اخلاق ہوں گے۔ تو مثالی معاشرہ نہیں بن سکے گا۔

س ۲: خاندانی نظام کی اہمیت پر نوٹ لکھیں۔

جواب: **(۱) آسائش و راحت:۔**

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ " هو الذی خلقکم من نفس واحدة و جعل منها زوجها لیسکن الیها"۔ (الاعراف:۱۸۹)

ترجمہ: وہی (اللہ) ہے۔ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑ بنایا۔ تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے۔ میاں بیوی کا باہمی حسن سلوک جو قرار و سکون مہیا کرتا ہے۔ وہ ڈھیروں دولت سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ انسان کا گھر زندگی بھر اس کی مشکلات اور مصائب میں پناہ گاہ ثابت ہوتا ہے۔

(۲) احصان میں برکت ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "تم میں جو آدمی مہر و نفقہ کی استطاعت رکھتا ہے۔ وہ نکاح کریں۔ کیونکہ اس سے نگاہ پاک رہتی ہے۔" گویا نکاح ایک جوڑے کے درمیان عائلی زندگی کی خوشگوار بنیاد فراہم کرتا ہے۔ جس کے نتیجے میں پاکیزہ تعلقات وجود میں آتے ہیں۔ قرآن نے رشتہ ازدواج کو "احصان" کا نام دیا ہے۔ جس کا مطلب ہے۔ " قلعہ بند ہو کر محفوظ ہو جانا" رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد زوجین "محصن" یعنی قلعہ بند یا محفوظ ہو جاتے ہیں۔ غیر اخلاقی حملوں سے بچاؤ کے لیے انہیں ایک مضبوط دیوار اور حصار مل جاتا ہے۔ ہر ایک دوسرے کے لیئے شریک رنج و راحت، بے لوث اور غمگسار ہوتا ہے۔ اور مشکلات اور مسائل کے حل میں دونوں ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں۔ یکسوئی نصیب ہوتی ہیں۔ سوچ، غور و فکر اور ذہنی صلاحیتوں میں ایک اُٹھان اور ان کے استعمال میں لانے سے آسانیاں پیدا ہوتی ہے۔ اس زندگی کا لطف اس وقت حد کمال کو پہنچتا ہے۔ جب گھر کے آنگن میں پھول جیسے بچے آ جاتے ہیں۔ جو والدین کے آپس میں تعلق کو اور مضبوط کرتے ہیں۔ ہر طرف سے محبت و

احترام باہمی کا زمزم ہوتا ہے۔اور گھر واقعی ایک جنت نظر آتا ہے۔

نسل انسانی کی بقا:۔

نسل انسانی کی بقاءاور اسکی افزائش اللہ تعالیٰ کے نزدیک عائلی زندگی کا مقصد ہے۔اور اس پاکیزہ زندگی کا واحد راستہ عقد نکاح ہے۔ورنہ فطرت کے وہ مقاصد کبھی حاصل نہیں ہو سکتے جو اپنے سامنے رکھتی ہیں۔لہٰذا کسی بھی معاشرے کی بنیاد خاندانی نظام اور مرد وعورت کی پاکیزہ عائلی زندگی ہے۔جب اس بنیاد ہی کو نیست و نابود کر دیا جائے۔تو معاشرے کی شیرازہ بندی کس طرح ممکن ہے۔اور اسے انتشار سے کیونکر بچایا جاسکتا ہے۔

قرآن حکیم نے فرمایا:

" کہ تمہاری عورتیں تمہارے لیے کھیتیاں ہیں "۔

بالفاظ دیگر یہ کہنا مقصود ہے۔ان کے ذریعے اچھی پیداوار بقائے نسل کا اہتمام کرو۔

محبت ورحمت:۔

اللہ تعالیٰ نے شوہر اور بیوی سے تعلق کو محبت ورحمت کا تعلق قرار دیا۔ارشاد ربانی ہے۔

"اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جانوں سے تمہارے جوڑے پیدا کئے۔تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت ورحمت پیدا کی"

گویا شوہر و بیوی کا تعلق ایک طرف تو جبلت کی تسکین کا باعث ہے۔اور دوسری طرف باہمی محبت، اعتماد اور رحمت کا ایک رشتہ ان کے درمیان پیدا کرتا ہے۔دونوں روحانی تعلق کا بناء پر شاہراہ حیات میں ایک دوسرے کے ہم سفر ہوتے ہیں۔اور ایک مقدس معاہدے کے تحت ایک دوسرے کے مُونس وغم خوار ہیں۔اس لیئے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے پر منصفانہ حقوق مقرر کئے ہیں۔

ولھن مثل الذی علیھن باالمعروف.

ترجمہ: . اور اسطرح ان (عورتوں) کے حقوق ہیں۔جس طرح انکے فرائض ہیں رواج کے مطابق۔

اخلاق کی پاکیزگی:۔

عائلی زندگی کی یہ اہمیت ہے۔کہ اس سے انسانی اخلاق کی پاکیزگی کا راستہ صاف ہو جاتا ہے۔اور شیطان اس پر حملہ آور نہیں ہو سکتا۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

"جس شخص نے نکاح کر لیا۔اس نے آدھا دین بچالیا۔" جب کوئی مسلمان نکاح کرتا ہے۔تو شیطان چیخ اٹھتا ہے۔اور کہتا ہے۔کہ اس کا برا ہوا کہ اس نے مجھ سے دوتھائی دین بچالیا۔

جن ملکوں میں مادر پدر آزاد جنسی آزادی ہے۔وہاں کے معاشرے میں کئی خطرناک قسم کی برائیاں اور بیماریاں جنم لے چکی ہیں۔ایڈز وغیرہ۔

نکاح سنت انبیاءؑ ہے۔

حضور کریم ﷺ نے فرمایا۔جو میرے داوٗدؑ اور سلیمانؑ اور ابراھیمؑ کے دین پر ہے۔اگر اس کی توفیق ہو۔تو نکاح کریں۔ایک اور جگہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو میری سنت سے محبت ہے۔وہ میری سنت پر چلے اور نکاح کریں۔

اولاد کی تربیت کا ذریعہ:۔

قرآن کریم نے فرمایا۔**قو انفسکم و اھلیکم نارا (تحریم: ۶)**

ترجمہ:۔ اپنے آپ کو اور گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔

یہ اچھی تربیت ہی سے ممکن ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا۔تم میں سے ہر ایک راعی اور نگہبان ہے۔اور اپنے راعیت (اولاد) کے بارے میں جواب دہ ہے۔

احساس ذمہ داری:۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔ہر سربراہ خاندان، ہر عورت اپنی ذمہ داری کیلئے جواب دہ ہے۔آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا۔جس شخص نے تین بیٹیوں یا دو بیٹوں کی پرورش کی۔یعنی اچھی تربیت دی۔ان کی شادی کرائی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔اسے جنت ملے گی۔

تدبیر منزل:۔

خاندان میں گھریلو زندگی کی تنظیم اور باہمی فرائض کی تقسیم ہوتی ہے۔اگر ایسا نہ ہو۔تو تمدن میں خلل پڑ جائے گا۔گھرانہ کا سربراہ مرد ہے۔اور عورت وزیر ہے۔مرد وعورت کے ایک دوسرے پر حقوق و فرائض ہیں۔اعمال کے لحاظ سے مرد وزن میں کوئی فرق نہیں۔البتہ قرآن نے فرمایا۔

الرجال قوامون علی النساء

ترجمہ:۔ مرد عورت پر منتظم ہیں۔لیکن عورت اپنے دائرہ عمل میں اپنا خاص درجہ رکھتی ہے۔جس میں مرد اس کے ساتھ برابری نہیں کرسکتا۔

رزق کا حصول:۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔نکاح کے ذریعے رزق تلاش کرو۔ایک شخص فاقہ کی شکایت لے کر آپ ﷺ کے پاس آیا۔آپ ﷺ نے فرمایا نکاح کرو۔گویا نکاح اور گھریلو زندگی انسان کو مفلسی، نکھٹو پن سے چھٹکارا پانے کی جدوجہد پر مجبور کرتی ہیں۔بیوی آجاتی ہے۔تو خرمستی، لااُبالی پن اور غیر ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔

زوجین ایک دوسرے کے بمنزلہ لباس ہیں:۔

قرآن کریم نے فرمایا۔" وہ تمہارے لیے لباس ہیں۔اورتم ان کے لیے لباس ہو۔"لباس اور پوشاک یہاں کئی معنی رکھتا ہے۔

۱) جس طرح بدن اور پوشاک کا قریبی تعلق ہے۔اس طرح میاں بیوی کا بھی ہے۔

۲) جس طرح انسان کا پوشاک کے بغیر گزارا نہیں۔اس طرح میاں بیوی کا بھی ایک دوسرے کے بغیر گزارہ مشکل ہے۔

۳)جس طرح پوشاک موسم کی سختی کو روکتی ہے۔اس طرح میاں بیوی بھی مصائب کے مقابلے میں ایک دوسرے کے ڈھال ہیں۔

۴)پوشاک عزت وآبرو کی علامت ہے۔عریانی سے روکتی ہے۔اس طرح میاں بیوی ہیں۔

۵)صاف بدن اور لباس سے انسان کو خوشی ملتی ہے۔اس طرح میاں بیوی سے ایک دوسرے کو خوشی ملتی ہیں۔

س۳:۔ زوجین کے ایک دوسرے پر کیا حقوق ہیں؟

جواب:۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق خاندان کی کفالت مرد کی ذمہ داری ہے۔اسے چاہیے کہ اپنی مالی حالت کے مطابق بیوی بچوں کے لیے اخراجات،لباس اور مکان کا بندوبست کرے۔بیوی کو اپنے مہر میں دی گئی دیگر چیزیں اپنی ذاتی ملکیت رکھنے اور کاروبار کرنے کا جائز حدود میں اختیار حاصل ہے۔چاہیے کہ وہ بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔اس پر ظلم وزیادتی نہ کرے۔اس پر ظلم وزیادتی نہ کرے۔اس معاملے میں اللہ سے ڈرے۔اور عدل واحسان کا رویہ اختیار کرے۔وراثت کے حقوق شریعت کے مطابق ادا کرے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فالصٰلحت قنتٰت حفظٰت للغیب.

ترجمہ:۔نیک عورتیں فرمانبردار اور شوہر کی عدم موجودگی مین (اس کے گھر کی) محافظ ہوتی ہیں۔

بیوی کا فرض ہے۔کہ وہ شوہر کی عدم موجودگی میں اس کی تمام اشیاء کی ایک امانت کی طرح حفاظت کرے۔اس کے راز افشا نہ کرے۔گھر کی باتیں دوسروں کو نہ بتائیں۔اور اس کے اموال واشیاء کے ساتھ ساتھ اس کے نسب ونسل کی بھی حفاظت کرے۔شوہر کے بستر کی حرمت کا خیال رکھیں۔نبی کریم ﷺ کی زندگی بھی ہمارے لیے مینارہ نور ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا۔

خیر کم خیر کم لاھلہ وانا خیر کم لاھلی.

ترجمہ:۔تم میں بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتریں ہو۔اور میں اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہو۔"

نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اچھی عورت وہ ہے کہ جب شوہر اسے دیکھے تو اسے مسرت ہو وہ اسے حکم دے تو اطاعت کرے اور اس کی عدم موجودگی میں اس کے مال کی اور اپنی حفاظت کرے۔

Tehkals.com Learn & Teach

خاوند کے حقوق

۱) اطاعت وفرمانبرداری:۔

بیوی کے لیے ضروری ہے۔کہ وہ اپنے شوہر کی مطیع ہو۔اور ہر جائز حکم بجالائے۔قرآن حکیم نے فرمایا۔"نیک بیبیاں وہ ہیں جو مردوں کے حکم پر چلتی ہے۔اور ان کے پیٹھ پیچھے خدا کی حفاظت میں مال وآبرو کی خبرداری کرتی ہیں۔عورت مرد کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے۔اگر شوہر کی اطاعت مین خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت سے ٹکراؤ ہو۔تو پھر شوہر کی اطاعت نہیں کرے گی۔کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔کہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت ختم ہوجاتی ہے۔

مال وعزت کی حفاظت:۔

عورت کیلئے لازم ہے۔کہ خاوند کی عدم موجودگی میں اس کے مال وعزت کی حفاظت کریں۔خطبہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے فرمایا۔کہ عورتوں پر فرض ہے۔کہ تمہارے بچھونے میں کسی کو شریک نہ کریں۔فحش کام نہ کریں۔مرد کے نسب کی حفاظت کریں۔

شوہر کی خوشنودی:۔

عورت کا فرض ہیہ۔کہ اپنے شوہر کو راضی اور خوش رکھے۔حضور ﷺ نے فرمایا۔کہ تین آدمیوں کی نماز اور قربانی قبول نہیں ہوتی۔ان میں سے ایک وہ عورت ہے۔جس کا شوہر اس سے ناخوش ہو۔آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا۔اگر میں خدا کے علاوہ کسی اور کو سجدے کا حکم دیتا۔تو میں بیوی کو کہتا کہ شوہر کو سجدہ کرے۔

شکر گزاری:۔

عورت کو مرد کے احسانات کا شکر گزار ہونا چاہیے۔اگر کسی مجبوری سے کوئی مطالبہ پورا نہ کرسکے۔تو شوہر کی تمام خدمات اور احسانات پر پانی نہ پھیرے۔حضور ﷺ نے خطبہ عید میں عورتوں کو مخاطب کیا۔اور کہا صدقہ دیا کرو۔کیونکہ دوزخ میں تمہاری تعداد کچھ زیادہ ہوئی ہے۔ایک تیز طراز عورت نے پوچھا ایسا کیوں ہے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا عمر بھر خاوند تمہاری خدمت کرتا رہتا ہے۔کسی وجہ سے ایک مطالبہ پورا نہیں کرتا۔تو تم عمر بھر کے لیے کئے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہو۔اور آسمان سر پر اُٹھاتی ہو۔

طلاق کا حق:۔

مرد عورت کو طلاق دے سکتا ہے۔اگر چہ یہ اللہ کے نزدیک مبغوض ترین فعل ہے۔

بیوی کے حقوق

اچھا برتاؤ۔

بیوی کا پہلا حق یہ ہے۔ کہ خاوند اس سے اچھا برتاؤ کرے۔ قرآن حکیم نے فرمایا۔

وعاشروهن باالمعروف.

ترجمہ:۔ اور اپنی بیویوں کے ساتھ اچھی طرح رہو۔ حضورﷺ نے فرمایا۔ تم میں بہترین وہ ہے۔ جو اپنی بیویوں کے لیے بہتر ہو۔ اور میں اپنے اہل خانہ کے لیے بہتر ہوں۔

نان ونفقہ:۔

اسلامی قانون کے تحت گھر کی ضروریات مہیا کرنا گھر کا کام ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا۔ ومتعوھن۔ یعنی اپنی بیویوں کو نان نفقہ دو۔ اس آیات میں آگے بتایا گیا ہے۔ کہ اپنی حیثیت کے مطابق نفقہ دو۔ کوئی مقدور وقسمت والا ہو۔ تو وہ اپنی حیثیت سے دے۔ جو تنگدست ہو۔ تو وہ اپنی حیثیت سے دے۔ یہ انتہائی مکروہ بات ہے۔ کہ عورت کمائے اور شوہر چاٹے۔

حق مہر:۔

مرد کا فرض ہے۔ کہ وہ خوشی سے عورت کا حق مہر ادا کرے۔ قرآن کریم نے فرمایا۔ اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو۔ اور وہ کچھ خوشی سے چھوڑ دیں۔ تو اسے ذوق وشوق سے کھالو۔

عدل ومساوات:۔

بیوی ایک ہو۔ تو وہ بہتر سلوک کی مستحق ہے۔ لیکن اگر ایک سے زیادہ ہو تو ان کے درمیان پر انصاف قائم رکھنا فرض ہے۔ اگر عدل نہ ہو سکے۔ تو دوسری شادی ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ شادی ایک بڑی معاشرتی ذمہ داری ہے۔ محض عیش وعشرت نہیں۔ قرآن کریم نے واضح طور پر بتایا۔

فان خفتم الا تعدلوا فواحدة"

ترجمہ:۔ اگر تم کو اندیشہ ہے۔ کہ عدل نہ کر سکو گے۔ تو ایک بیوی پر اکتفا کر لو۔

ظلم وزیادتی سے پرہیز؛۔

مرد کے لیے ضروری ہے۔ کہ بیوی کے ساتھ ظلم وستم اور مار پیٹ وغیرہ سے قطعاً پرہیز کرے۔ البتہ بے حیائی کے کام کرنے پر ڈانٹ ڈپٹ اور تادیب اور ہلکی مار پیٹ ہو سکتی ہے۔ جس میں جلد، جسم کا کوئی حصہ زخمی نہ ہو۔ منہ پر مارنے سے بالکل ممانعت ہے۔ محض عورت کو ستانے کی خاطر اسے لٹکائے نہ رکھے۔ حق مہر دے کر اسے آزاد کر دے۔

Tehkals.com Learn & Teach

وراثت میں حصہ:۔

بیوی کو مرد کی وراثت کا معین حصہ اس کے مرنے پر ملتا ہے۔

بعد طلاق:۔

طلاق کے بعد بچے کو دودھ پلانے کے عوض باپ مطلقہ بیوی کو باقاعدہ معاوضہ ادا کرے گا۔

س۴: **اولاد کے حقوق وفرائض کے بارے میں آپ ﷺ کیا جانتے ہیں؟**

ج:۔ **اولاد کے حقوق:**۔ اولاد کے حقوق مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) عقیقہ:۔

جب بچہ اور بچی پیدا ہو۔ تو ساتویں دن نام رکھے۔ اور عقیقہ کرے۔ لڑکے کے لیے دو بکرے یا بھیڑ اور لڑکی کے لیے ایک بکرا یا ایک بھیڑ ذبح کر کے خیرات کر دے۔

۲) پرورش:۔

قرآن کریم نے واضح طور سے کہا۔ کہ بچہ کی رضاعت اپنی والدہ دو برس تک لازمی طور سے کرے۔ لڑکی پیدائش کے لحاظ سے کمزور ہوتی ہے۔ اسلام نے اس کی پرورش کی خصوصی تاکید کی۔ حضور کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص دو لڑکیوں کو پال کر جوان کر دے۔ اچھی تربیت دے۔ تو حضور ﷺ نے دو انگلیاں اٹھا کر فرمایا۔ کہ اس کا اور میرا رتبہ اور پڑوس قیامت کے دن اس طرح ہو گا۔

۳) بچوں سے پیار اور شفقت:۔

آپ اپنے بچوں سے نواسوں سے پیار اور شفقت فرماتے تھے۔ اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے آنے پر آپ ﷺ اُٹھ جاتے۔ حسنؓ اور حسینؓ کا بوسہ لیتے۔ نواسی امامہ اور انہیں کندھے پر سوار فرماتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے بچوں پر شفقت نہیں کی۔ وہ ہم میں سے نہیں۔

۴) تعلیم وتربیت:۔

اسلام نے اولاد کی تعلیم وتربیت پر بہت زور دیا ہے۔ قرآن حکیم نے فرمایا۔ اے مومنو! اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ کوئی باپ اپنے بچہ کو حسن ادب سے بہتر عطیہ نہیں دے سکتا۔ نیک اولاد صدقہ جاریہ ہے۔

۵) اولاد کے درمیان عدل:

والدین کا فرض ہے۔ کہ اولاد کے درمیان مکمل مساوات رکھیں۔ اسلام کی نگاہ میں لڑکے اور لڑکی میں امتیاز کی ظالمانہ تمیز کی کوئی گنجائش نہیں۔ ایک صحابیؓ نے اپنے بیٹے کو غلام ہبہ کیا۔ اس نے حضورﷺ کی گواہی چاہی۔ آپﷺ نے پوچھا دیگر بچوں کو بھی ایک ایک غلام دیا؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا تو میں اس ظلم کا شاہد نہیں بننا چاہتا۔

۶) نکاح:۔

تعلیم و تربیت دینے کے بعد اولاد کے لیے اچھا رشتہ تلاش کرنا ضروری ہے۔ اور اس میں لڑکی اور لڑکے کی پسند کا خیال رکھا جائے۔ نہ کہ اپنی پسند تھوپنے کی کوشش ہو۔

اولاد کے فرائض

۱) محبت و احترام:۔

والدین بہت محبت و احترام کے مستحق ہوتے ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں کہا گیا۔

والدین کے ساتھ احسان کرو۔ اگر بڑھاپے کو پہنچ جائیں۔ تو انہیں اُف تک نہ کہو۔ ان سے مئودبانہ گفتگو کرو۔ اس کے سامنے رحمت آمیز عاجزی و خاکساری اختیار کرو۔ ان کے لیے دعا مانگو۔

حدیث نبویﷺ ہے یہ۔ جو شخص اپنے والدین پر شفقت کی نظر دیکھتا ہے۔ اس کے لیے ایک مقبول حج لکھا جاتا ہے۔

۲) خدمت:۔

والدین کے اولاد پر اس قدر بیکراں احسانات ہوتے ہیں۔ کہ اولاد کی خدمت میں تمام زندگی بھی کھپا دے۔ تو حق ادا نہیں ہو سکتا۔ حضورﷺ نے فرمایا۔ ایک صورت ہے۔ اور وہ یہ کہ والدین کسی کے غلام ہوں۔ اور انہیں خرید کر آزاد کر دیا جائے۔ یا اپنی جان و مال ان کے لیے وقف کر دے۔

۳) تعمیل:۔

اگر اللہ تعالیٰ حکم کی خلاف ورزی نہ ہو رہی ہو۔ زرک واقع نہ ہو رہا ہو۔ تو والدین کے حکم کی تعمیل میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ سورۃ لقمان میں کہا گیا۔ کہ ہم نے انسان کو والدین کے متعلق حکم دیا۔ کہ ان کی بات مانی جائے گی۔ سوائے شرک کے۔

۴) والدین کی ناراضگی سے بچنا:۔

حضورﷺ نے فرمایا۔ تین دعائیں بلاشبہ قبول ہوتی ہیں۔ مظلوم کی دعا۔ مسافر کی دعا اور والدین کی بددعا۔

۵) والدین کے اقارب سے اچھا سلوک:۔

آپﷺ نے فرمایا۔ جس نے میرے چچا عباسؓ کو ایذا دی۔ اس نے مجھے ایذا دی۔ آپﷺ نے فرمایا تھا۔ کہ میری مجلس میں قاطع رحم نہ بیٹھے۔ یعنی جو رشتہ داروں سے صلہ نہیں کرتا۔

۶) والدین کے دوستوں سے اچھا سلوک:۔

حضورﷺ نے فرمایا۔ بہترین نیکی یہ ہے۔ کہ والد کے تعلقات کو زندہ رکھا جائے۔

۷) بعد از موت:۔

والدین کے فوت ہو جانے کے بعد ان کے لیے دعا کریں۔ جیسے سورۃ بنو اسرائیل میں ہے۔

ترجمہ:۔ "اے اللہ! میرے والدین پر رحم کیجیے۔ جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا پوسا"۔ انکے لئے نماز اور استغفار پڑھنا چاہیے۔

ہجرت و جہاد

س:۔ ہجرت پر تفصیلی مضمون لکھیں۔

ج:۔ معنی:۔

ہجرت کے معنی ہے ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہونا۔

مفہوم:۔

اسلام میں اس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ مسلمانوں کا کسی دوسری جگہ منتقل ہو جانا۔ کسی ایسی جگہ سے جہاں وہ محکوم اور مظلوم ہوں۔ برسراقتدار لوگ انہیں اسلام پر عمل کرنے پر تکلیف دیتے ہوں۔ لہٰذا ان کو وہاں اسلام پر زندگی گزارنا مشکل ہو تو ایسے حالات میں مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس سرزمین کو چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو جائیں۔ البتہ اگر ان کے پاس ہجرت کے وسائل نہ ہوں۔ یا کسی مجبوری کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکتے ہوں۔ تو اس بات کا امکان ہے۔ کہ اللہ انہیں معاف فرما دے۔

چنانچہ ارشاد ہے۔

ترجمہ:۔ جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ جب فرشتے ان کی جان قبض کرنے لگتے ان سے پوچھتے ہیں۔ کہ تم کس حال میں تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ملک میں عاجز و ناتواں تھے۔ فرشتے کہتے ہیں۔ کیا اللہ کا ملک فراخ نہیں تھا۔ کہ اس میں ہجرت کر جاتے۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اور وہ بری جگہ ہے۔ ہاں جو مرد اور عورتیں اور بچے بے بس ہیں۔ کہ نہ کوئی چارہ کر سکتے ہیں اور نہ راستہ جانتے ہیں۔ قریب ہے کہ اللہ ایسوں کو معاف کر دے۔ اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کر کے گھر سے نکل جائے۔ پھر اس کو موت آ پکڑے۔ تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہو چکا۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔" (النساء: ۹۷۔۱)

ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ ہجرت کے نتیجے میں ایک مسلمان کو دنیا میں بھی فائدہ ہے۔ اور آخرت میں بھی۔ جیسا کہ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔

ترجمہ:۔ جن لوگوں نے ظلم سہنے کے بعد اللہ کے لیے وطن چھوڑا ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے۔ اور آخرت کا اجر تو بہت ہی بڑا ہے۔ کاش وہ (اسے) جانتے۔ یعنی وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں"۔ (النحل: ۴۱۔۴۲)

اس طرح ہجرت کرنے والے اللہ تبارک کی رحمت کے حق دار بھی قرار پائے ہیں۔ ارشاد ہے:

ترجمہ:۔ پھر جن لوگوں نے بلائیں اٹھانے کے بعد ترک وطن کیا، پھر جہاد کیا اور ثابت قدم رہے۔ بیشک تمہارا پروردگار ان (آزمائشوں) کے بعد بخشنے والا (اور ان پر) رحم کرنے والا ہے"۔ (النحل: ۱۱۰)۔

اللہ تعالیٰ نے ہجرت کرنے والوں کے لئے مغفرت، جنت اور بہترین اجر کا انعام رکھا ہے۔ اور انہیں یقین دلایا ہے کہ انہیں بخش دیا جائے گا، ان کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

ترجمہ:۔ تو ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کر لی (اور فرمایا) کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کرتا۔ تم ایک دوسرے کی جنس ہو۔ تو جو لوگ میرے لیئے وطن چھوڑ گئے (ہجرت کر گئے) اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے۔ اور لڑے اور قتل کیے گئے ہیں ان کے گناہ دور کر دونگا۔ اور ان کو بہشتوں میں داخل کر دونگا۔ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ (یہ) اللہ کے ہاں سے بدلہ ہے۔ اور اللہ کے ہاں اچھا بدلہ ہے۔" اس لیے بجا طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے۔ کہ جب تک جہاد فرض نہیں ہوا تھا۔ اس وقت تک سب سے بڑا عمل یہی ہجرت کا عمل تھا۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ ہجرت اللہ کی راہ میں اور اللہ کے دین پر قائم رہنے اور اس کی دعوت و اشاعت کے لیے ہو۔

سوال۲: جہاد سے کیا مراد ہے؟

جواب: جہاد کے معنی محنت اور کوشش کے ہیں۔ اور اسلام میں اس کا مفہوم ہے کہ حق کی سربلندی، اس کی اشاعت و حفاظت کے لیے ہر قسم کی کوشش، قربانی و ایثار کرنا اپنی تمام مالی، جسمانی و دماغی قوتوں کو اللہ کی راہ میں صرف کرنا۔ یہاں تک کہ اس کے لیے اپنے اہل و عیال۔ اپنے عزیز و اقارب، خاندان و قوم کی جانیں تک قربان کر دینا۔ حق کے دشمنوں کی کوشش کو ناکام بنانا، ان کی تدبیروں کو اکارت کر دینا، ان کے حملوں کو روکنا نیز اس کے لیے اگر میدان جنگ میں آ کر لڑنا پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کرنا۔ اس لیے جہاد کو اسلام میں بڑی عبادت قرار دیا گیا ہے۔

جہاد ایک منظم کوشش کا نام ہے۔ اور اسلام میں اس کے واضح اصول و ضوابط ہیں۔ بغیر کسی نظم و امیر کے کوئی شخص یا گروہ اپنی مرضی سے مسلح جدوجہد شروع کر دے۔ تو اسے جہاد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جہاد کے لیے ضروری ہے کہ ایک اسلامی ریاست کی طرف سے باقاعدہ اس کا حکم دیا گیا ہو۔ علماء مجتہدین کے اداروں نے حالات و اسباب کا بے لاگ جائزہ لے کر اس کے مکان و ضرورت کا فیصلہ دیا ہو۔ اور اس کا مقصد مظلوم مسلمانوں کی امداد کرنا، اشاعت اسلام کے راستے کی رکاوٹوں اور فتنوں کو دور کرنا اور رضائے الٰہی کا حصول ہو۔ یہ بھی ضروری ہوگا۔ کہ اسلحہ کی ضروری مقدار اور تربیت یافتہ افراد موجود ہوں۔

جہاد کی ضرورت:۔

کسی اسلامی ملک پر دشمنوں کا حملہ ہو۔ تو اس صورت میں جہاد اس ملک کے تمام باشندوں پر نماز و روزوں کی طرح فرض عین ہو جاتا ہے۔ یا اسلام کی راہ میں رکاوٹ پیش ہو۔ مثلاً جو لوگ اسلام لا چکے ہیں۔ انہیں اسلام لانے کی جرم میں ستایا جائے۔ اور انہیں کفر کی طرف واپس لوٹنے پر مجبور کیا جائے۔ یہ سخت جارحانہ اقدام ہے۔ اور اس کے خلاف مسلح دفاعی جنگ ضروری ہے۔ کچھ ایسی صورت بھی پیش آتی ہے۔ کہ غیر مسلموں کے سامنے اسلام کو پیش ہی نہ کرنے دیا جائے۔ یا ایسا نظام مسلط کیا جائے۔ جس کے ہوتے ہوئے کسی کو اسلام کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع نہ مل سکے۔ اگرچہ یہ زیادہ

جارحانہ اقدام نہیں۔لیکن اس سلسلے میں حالات کا جائزہ لے کر جدوجہد کی جائے۔ جو مسلح بھی ہوسکتی ہے۔دشمن عہد نامہ توڑے۔غداری کرے۔تو جنگ کی جائے۔مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔کہ وہ ہر قسم کا اسلحہ تیار کریں ایٹم بم وغیرہ وغیرہ بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک اسلحہ۔کہ دشمن مرعوب ہو۔

جہاد کی فضیلت:۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے۔جو اس کے راستے میں ایسے طور پر پرے جما لڑتے ہیں۔گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔مجاہد کے لیے اجر عظیم ہے۔قرآن مجید نے فرمایا۔جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑے گا کہ مارا جائے یا غالب رہے۔اسے ہم اجر عظیم دیں گے۔قرآن نے شہادت کی حلاوت بیان کر دی۔

ترجمہ:۔اللہ کے راستے میں جو مر جائیں انہیں مردہ مت کہو۔وہ زندہ ہیں۔لیکن تم نہیں جانتے۔(بقرہ:۱۵۴)

احادیث:۔

احادیث میں جہاد کی بہت فضیلت آئی ہے۔

۱) خدا کی راہ میں ایک دن چوکیداری دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔

۲) صبح کو یا شام کو اللہ کی راہ میں نکلنا جان دینا۔دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔

۳) جس بندے کے قدم خدا کی راہ میں غبار آلودہ ہو جائیں۔پھر ان کو دوزخ کی آگ چھو نہیں سکتی۔

۴) شہید آرزو کرتا ہے۔کہ اس دفعہ مارا جاؤں اور ہر دفعہ زندہ ہو کر دنیا میں لڑنے کے لیے جاؤں۔

س۳:۔ جہاد کی مختلف اقسام تفصیل سے بیان کریں۔

ج: **جہاد کی اقسام:۔** جہاد کی اقسام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) نفس کے خلاف جہاد:۔

بعض علماء کی رائے میں سب سے اعلیٰ قسم اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا ہے۔اور وہ اسے جہاد اکبر قرار دیتے ہیں۔بعض صحیح احادیث اور قرآن کریم سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ارشاد ربانی ہے۔

ترجمہ: جن لوگوں نے ہمارے بارے جہاد کیا (یعنی محنت اور تکلیف اٹھائی) ہم ان کو اپنے راستے دکھائیں گے۔اور یقیناً اللہ نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔

۲) جہاد بالعلم:۔

جہاد کی ایک قسم "جہاد بالعلم" ہے۔دنیا کا تمام شر و فساد جہالت کا نتیجہ ہے۔اور اس کا دور کرنا ضروری ہے۔اگر انسان عقل و شعور اور علم و دانش رکھتا ہے۔تو اسے چاہیے کہ علمی انداز میں دوسروں کو بھی اس سے فیض پہنچائے۔

۳) جہاد بالمال:۔

جہاد کی ایک اور قسم "جہاد بالمال" ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو مال و دولت عطا کی ہے۔اس کا مقصد یہ ہے۔کہ اسے اللہ کی رضا کے راستے میں خرچ کیا جائے۔اور حق کی حمایت و نصرت کے سلسلے میں انفاق سے گریز نہ کیا جائے۔ارشاد ربانی ہے۔

ترجمہ:۔ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا، یہ لوگ اللہ کے پاس نہایت بلند مرتبہ پر فائز ہیں۔(سورۃ التوبہ:۱۹)

۴) جہاد بالنفس:۔

جہاد کی ایک قسم "جہاد بالنفس" ہے۔یعنی اپنے جسم و جان سے جہاد کرنا ہے۔حتیٰ کہ اللہ کی راہ میں دین کے دشمنوں سے لڑتے لڑتے اپنی جان تک پیش کر دی جائے۔عام طور پر جب جہاد لفظ بولا جاتا ہے۔تو اس سے یہی چوتھی قسم کا جہاد ہی مراد ہوتا ہے۔جس کو قرآن میں قتال (مسلح جہاد) کہا گیا ہے۔جہاد کے لیے جنگی قوت کی تیاری کا حکم دیا گیا ہے۔اور جہاد میں شہید ہو جانے والوں کو مردہ کہنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔اور ان کے متعلق بتایا گیا ہے۔کہ وہ اپنے رب کی طرف سے رزق پا رہے ہیں۔اور وہ اس حلاوت پر خوشیاں منا رہے ہیں۔ان کے لیے اجر عظیم جنتوں اور بہترین ثواب کا وعدہ کیا ہے۔

۵) جہاد باللسان:۔

جہاد باللسان سے مراد زبان سے جہاد کرنا ہے۔یعنی وعظ و تقریر اور ذرائع ابلاغ (ریڈیو، ٹی۔وی وغیرہ) سے مؤثر جہادی تقریروں کا پروگرام پیش کرنا۔افواہوں کا سدباب کرنا دشمن کے حملے سے بچنے کے طریقے بتانا۔

۶) جہاد بالقلم:۔

کتابوں، رسالوں، اخباروں پمفلٹ ناولوں، کہانیوں افسانوں وغیرہ کے ذریعے ایسی تحریریں پیش کرنا جن سے مجاہدین کا حوصلہ بڑھے۔اور دشمن بد دل ہو جائے۔مجاہدین کی بہادری، جانثاری اور شہادت کے قصے پیش کئے جائیں۔اور اس مقصد کے لیے رزمیہ اشعار، جنگی ترانے جہاد بالقلم کے زمرے میں آتے ہیں۔(واللہ اعلم)۔